[illegible] نہیں دربارِ [illegible]

امیدوارِ محکمہ جنگلات

صفحہ

مُحاورات
صفی اورنگ آبادی

(محاورے، روزمرہ، مقولے، ضرب المثل، کہاوتیں، تشبیہات واستعارے)

صفی حضرات کیفی وضیا کا سب تصدق ہے
کہیں طرزِ ادا سیکھی، کہیں لطفِ زباں پایا

مُرتّب

مجبوب علی خاں اخگر قادری

جملہ حقوق اشاعت بحق مرتب محفوظ

○ نام کتاب : محاوراتِ صفی اورنگ آبادی

○ مرتب : محبوب علی خاں اخگر قادری

○ صفحات : ۲۴۶

○ تعدادِ اشاعت : (پانچ سو)

○ سنہ اشاعت : ۱۹۹۸ء

○ قیمت : ایک سو روپے =/Rs. 100

○ کتابت : محمد عبدالرؤف / سلام خوشنویس

○ سرورق : تحریر سلام

○ آرٹ ورک : ولی محمد صدیقی ، "ART SPAN" چھتہ بازار حیدرآباد

○ طباعت : سنڈیکیٹ پریس چھتہ بازار۔ حیدرآباد

○ جلد بندی : حفیظیہ بک بائنڈنگ ، چھتہ بازار۔ حیدرآباد

○ زیرِ اہتمام : مختار احمد خاں / میر محمد اقبال علی

○ ملنے کے پتے :

○ حسامی بک ڈپو۔ مچھلی کمان۔ حیدرآباد

○ اسٹوڈنٹس بک ہاؤس۔ چار کمان۔ حیدرآباد

○ مکتبہ شاداب۔ ریڈہلز۔ حیدرآباد

○ مکان مرتب : نصیب منزل ۲۔۱۷/۲۶۴۔۳۔۱۹

جہاں نما۔ حیدرآباد ۵۳ فون : 4570228

فون : 522122

فون : 4527596

یہ کتاب اُردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کی جزوی مالی اعانت سے شائع ہوئی

فہرست

شعر

اللہ کو پکار اگر کوئی کام ہے
بندے ہزار نام کا یہ ایک نام ہے

شاید الم بھی کوئی بڑی چیز ہے صفیؔ
قرآں کی ابتدا ہے الف لام میم سے

کیا کہوں منہ سے کہ قرآن کا منہ ہے ورنہ
حمد کا لفظ تو ہونا تھا محمدؐ کے لیے

صفیؔ



محبوب علی خان اخگر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

پروفیسر یعقوب عمر صاحب

استاد فارسی نظام کالج

اور

فاروق شکیل صاحب

ایم۔ اے (عثمانیہ) جانشین حضرت عدیل

کے نام

جنھوں نے اِس کتاب کی تکمیل میں تعاون کیا

تحفہ

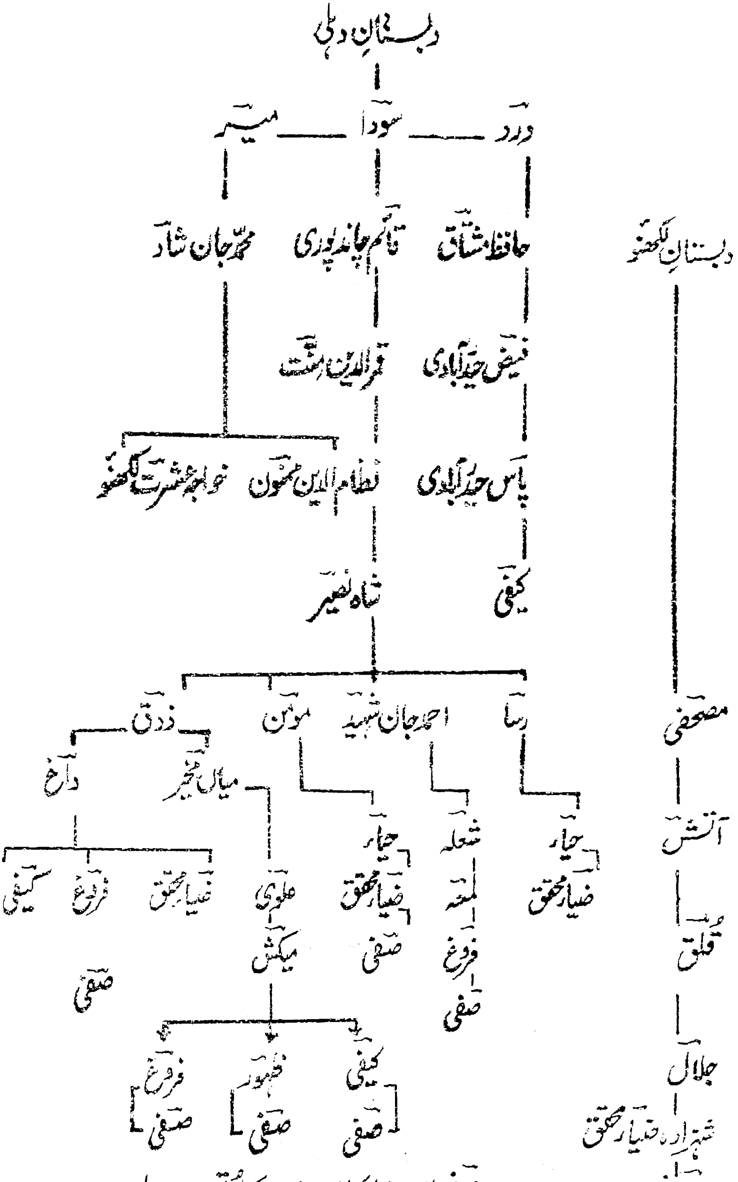
محمد جعفر علی خاں فہیم

کے لیے

جو میری شخصیت کا تسلسل ہیں

اخگر

حضرت صفی اورنگ آبادی کے اساتذہ کا شجرہ



صفی استاد کا اور باپ کا رتبہ برابر ہے
مرے کیا حضرتِ کیفی کہ سایہ اٹھ گیا سر سے

حضرت صفی کے بارے میں

نام : حکیم محمد بہاء الدین، بہبود شی صدیقی

تخلص : صفی اورنگ آبادی

عرف : میاں جانی

ولدیت : حکیم محمد شبیر الدین صدیقی مرحوم

تاریخ پیدائش : ۲۵ رجب ۱۳۱۰ھ بمقام پیدائش : اورنگ آباد سکونت مغلپورہ

اساتذۂ صفی : شہزادہ ضیا گورگانوی، ظہور دہلوی، عبدالولی فروغ، رضی الدین حسن کیفی

تاریخ وفات : ۵ ار رجب ۱۳۷۳ھ م ۲۱ مارچ ۱۹۵۴ء، مقام انتقال : دواخانہ عثمانیہ

تدفین : احاطہ درگاہ حضرت سردار بیگ آغا پورہ۔ حیدر آباد

صفی سے متعلق کتابیں :۔ مرقع سخن، جلد اوّل ۱۹۳۵ء بہ زمانہ حضرت صفی

۱. یادگارِ صفی سب رس صفی نمبر ۱۹۵۶ء مرتبہ : خواجہ حمید الدین شاہد

۲. انتخاب کلام صفی مرتبہ : مسابقہ الدین رفعت ۱۹۶۳ء

۳. پراگندہ مجموعہ کلام ۱۹۶۵ء مرتبہ خواجہ شوق

۴. فردوس صفی ۱۹۶۸ء مرتبہ ابو الخیر سید غوث نقی پاکستان، ۵ گلزار صفی ۱۹۸۰ء مرتبہ یوسف رحیم ایم اے

۶. سوانح عمری صفی اورنگ آبادی ۱۹۸۹ء مرتبہ محمد نور الدین خاں

۷. تلامذہ صفی اورنگ آبادی ۱۹۹۱ء مرتبہ محبوب علیخاں اخگر ۸ اصلاحات صفی اورنگ آبادی ۹۳ء مرتبہ محبوب علیخاں اخگر

۹. کلام صفی غیر مطبوعہ ۹۳ء مرتبہ محمد نور الدین خاں ۱۰ خمریات صفی اورنگ آبادی ۹۵ء مرتبہ محبوب علیخاں اخگر

۱۱. انشائے صفی اورنگ آبادی ۱۹۹۶ء مرتبہ محبوب علیخاں اخگر

اخگر کے بارے میں

نام : محبوب علی خاں اخگر قادری

ولدیت : محمد بہادر خاں آغائی ابوالعلائی

تاریخ پیدائش : ۵ ر نومبر ۱۹۲۵ء

مقام پیدائش : حیدرآباد۔ محلہ چیلہ پورہ، دیوڑھی نواب مدن خاں

موجودہ سکونت : نصیب مینشن جہاں نما حیدرآباد

اولاد : محمد جعفر علی خاں فہیم فرزند، عرشیہ بانو دختر، دولت بانو دختر

ملازمت : ڈپٹی تحصیلدار محکمہ مال (موظف)

اساتذہ اخگر : حضرت شجیع الدین مہر، حضرت میر محمد علی فقیر، حضرت غلام علی حادی، جانشین صفی اورنگ آبادی

شعری مجموعہ : شعلۂ سخن ۱۹۹۴ء

اخگر کی تصنیفات :۔ (مرتب کردہ)

۱. تلامذۂ صفی اورنگ آبادی ۱۹۹۱ء ۲. خیالاتِ حادی (مجموعۂ کلام غلام علی حادی) ۹۲ء
۳. اصلاحاتِ صفی اورنگ آبادی ۹۳ء ۴. خمریاتِ صفی اورنگ آبادی ۱۹۹۵ء
۵. انشائے صفی اورنگ آبادی ۹۶ء ۶. کلامِ فروغ ۹۸ء ۷. محاوراتِ صفی اورنگ آبادی

دیگر تصنیفات جو اخگر کے زیرِ اہتمام شائع ہوئیں :۔

۱. شمع فروزاں عمر خالدی ۹۲ء ۲. صدائے جرس عبدالکریم احسان ۹۴ء ۳. تاریخ و ادب نورالدین خاں ۹۲ء
۴. متاعِ سخن سلیم عابدی ۹۴ء ۵. قوسِ قزح نظیر علی عدیل ۹۳ء ۶. صدقِ جالسی نورالدین خاں ۹۴ء
۷. افکارِ عبد الغفار احمد عابد ۹۴ء ۸. نشاطِ دل یحییٰ جمیل ۹۴ء ۹. تب و تاب ڈاکٹر راہی ۹۴ء
۱۰. شعلۂ گل سردار سلیم ۹۶ء ۱۱. کلامِ صفی نورالدین خاں ۹۴ء ۱۲. نقد و نظر نورالدین خاں ۹۶ء
۱۴. سفرِ آشنائی فاروق شکیل ۹۴ء ۱۵. نشاطِ الم رؤف رحیم ۹۶ء ۱۶. محبوب علی خاں اخگر ایک مطالعہ مرتبہ سلیم
۱۷. مطالعے در جائزے مرتبہ سلیم ۹۸ء اس کے علاوہ مظہر خیال مرتبہ نظام اردو ٹرسٹ
تذکرہ ماہ و سال مرتبہ مالک رام، دکن کا عہدِ اسلامی، عمر خالدی، معین الدین عقیل اور ڈاکٹر
محمد شفیع ایک مطالعہ مرتبہ کتابوں کے مضامین لکھے ویئے گئے ہیں۔

حضرت صفیؔ اورنگ آبادیؒ کے پہلے استاد

شہزادہ حافظ محمد منیر الدین ضیاؔ گورگانی دہلی

حافظ مرزا محمد منیر الدین نام ہے۔ آپ شاہزادگان دہلی سے ہیں۔ **محمد** اورنگ زیب شہنشاہ عالمگیر سے آپ تک ساتویں پشت ہے۔ آپ شاہزادہ مرزا **محمد** کام بخش کی اولاد سے ہیں۔ ۵ رذی **الحجہ** سنہ ۱۲۷۶ھ کو آپ تولد ہوئے۔ آپ کا مولدِ خاص دہلی شہر ہے آپ کے والد بزرگوار صاحب عالم شہزادہ حافظ مرزا رحیم الدین [بہ عہد نواب ناصر الدولہ بہادر] بطریق سیاحت دہلی سے بیجاپور تک تشریف لائے تھے۔ مگر آپ نے تو واردِ حیدر آباد ہوکر یہاں دفتر صدر محاسبی سرکار عالی میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ آپ کو شاعری میں اپنے والد بزرگوار حضرت حیاؔ دہلوی سے شرفِ تلمذ ہے اور باقی دیگر علوم شاعری کے متعلق آپ نے جناب جلالؔ لکھنوی سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ فارسی تحصیل ہے۔ عربی میں صرف و نحو سے واقف تھے۔ شاعری میں بدیع، بیان، عروض، رمل، حساب، طب، تفسیر اور فقہ میں پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ فنون سپہ گری، پھینکنے ملی مد میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، اعلیٰ درجہ کے تیراک تھے اور طرۂ امتیاز یہ کہ حافظ قرآن حکیم بھی تھے۔ متصل کاروانِ ساہو ان کا مکان تھا۔ کتاب "تحقیقاتِ ضیاءؔ" گراں قدر تصنیف ہے۔ کلام ندرتِ اظہار اور فصیح و بلیغ ہے۔ سلسلۂ تلمذ اس طرح ہے:

شاہ نصیرؔ ؛ حیاؔ جلالؔ ؛ داغؔ دہلوی ؛ ضیاءؔ گورگانی

سلسلۂ نسب

شاہزادہ مرزا محمد کام بخش

- شاہزادہ مرزا محمد فرخندہ اقبال
- شاہزادہ مرزا محمد دین پرور
- شاہزادہ مرزا محمد کریم الدین
- شاہزادہ صاحب عالم مرزا محمد رحیم الدین حیاؔ
- شاہزادہ حافظ مرزا محمد منیر الدین ضیاؔ

نمونۂ کلام

اب کسی کے کام آنا رہ گیا ہے نام کا
اس زمانے میں نہیں کوئی کسی کے کام کا

کیوں ضیا کو ہاتھ سے کھوتے ہو پچھتاؤ گے پھر
وہ برا ہے یا بھلا ہے، آدمی ہے کام کا

کرو گے قتل کس کس کو برا کہہ کر یہ دنیا ہے
بھلے بھی اس میں رہتے ہیں برے بھی یاں رہتے ہیں

جو دل نہ مانگ لے، نہیں معشوق کی شبیہ
منہ سے نہ بول اٹھے وہ تصویر ہی نہیں

اچھی دعا کا ہے نہ بری کا ظہور کچھ
اللہ کیا زباں میں تاثیر ہی نہیں

ظالم خدا کے آگے ہے ایسا بنا ہوا
جیسے کچھ اس غریب کی تقصیر ہی نہیں

درد و فرقت میں نہ کیوں ہمدم رہے
دوست وہ ہے جو شریکِ غم رہے

کہتے ہیں بے دل کو غم سے واسطہ
دل ہو سینے میں تو دل میں غم رہے

قتل ہونے کو بہت آ جائیں گے
خنجرِ سفاک تیرا دم رہے

ہم رہے جب تک رہی سو آفتیں
دم رہا جب تک ہزاروں غم رہے

وہ نہیں آتے خوشی اُن کی، نہ آئیں
اب خوشامد کرنے سے تو ہم رہے

مشتاق اُن کی بات کا شوقِ سخن میں ہے
اور اُن کی بات ہے کہ دہن ہی دہن میں ہے
بندش درست لطفِ زبان، شوخیِ بیان
جو بات چاہیے وہ ضیاؔ کے سخن میں ہے

پردیس میں گزرتی ہے آرام سے ضیا
کس کا وطن، کہاں کا وطن، کیا وطن میں ہے

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

نہیں ہوتے رہا جو کشمکش میں غم کی پھنستے ہیں
کہاں کی زیست کیسی زیست مرنے کو ترستے ہیں

غزل

میں نے یہ مانا کہ اُلفت میں مرا سر جائے گا
اُن کا خنجر بھی مگر مُڑ جائے گا، گھِس جائے گا

ہو رہا ہے کس قدر غرقِ بیانِ ہجو مے
آج پانی آبرو پر شیخ کی پھر جائے گا

ہم نہ کہتے تھے نہ جا اے دل کسی کوچے میں تُو
خوب اُس نے گت بنائی، کیوں وہاں پھر جائے گا؟

رند سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے نصیحت شیخ جی!
بکتے بکتے آپ کا سر بھی اگر پھر جائے گا

لعلِ دل میرا، مرے سینے میں رہنے دیجیے
آپ کھو ڈالیں گے رستے میں کہیں گر جائے گا

چھوڑ دوں گا عشق، جاں اپنی بچانی فرض ہے
کیا کرے گا جب مصیبت میں کوئی گھر جائے گا

جان دے کر نام ہوگا، آبرو ہوگی نصیب
آشنائے بحرِ اُلفت ڈوب کر تر جائے گا

ہجر میں آنکھوں کے چشمے گر یونہی جھرتے رہے
جس قدر ہے خون، پانی ہو کے سب جھر جائے گا

ہم خوشی سے اُن کو دے ڈالیں تو اچھی بات ہے
دل یہ اوّل جائے گا سینے سے آخر جائے گا

عقل کہتی ہے کہ دل اُس کو کسی صورت نہ دو
عشق کہتا ہے کہ یار آزردہ خاطر جائے گا

رہروِ مُلکِ عدم ہیں اہلِ دُنیا اے صفیؔ
کوئی اوّل جا چکا ہے، کوئی آخر جائے گا

رسالہ مخزن جلد ۱ حصہ ۲ بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

حضرت صفیؔ اورنگ آبادی کے دوسرے استاد

حضرت حکیم ظہور احمد ظہورؔ دہلوی مرحوم

باوجود تلاشِ بسیار کے افسوس ہے کہ
ان کی حیات، کارنامے یا کلام وغیرہ کے بارے میں کہیں سے کوئی
مواد فراہم نہیں ہو سکا۔

بوریا بستر کوئی کیا باندھتا ہے اس طرح
نام باقی رہ گیا وہ بھی نہ جانے کس طرح
دارِ فانی میں سکونت کا ہے اخگرؔ یہ طریق
اک ظہورؔ بے نوا، بے نقش و پا کا جس طرح

اخگرؔ

ظہورؔ دہلوی کے ذکر سے قابلِ حصول تذکرے خالی ہیں۔ ان کے حالاتِ زندگی، اور کلام بھی زمانے کی ناقدری کی نذر ہو گیا۔ کیا حکیم ظہور احمد دہلوی، اُنہی میں سے ایک تو نہیں

اِتنا جیے کہ جاننے والے گزر گئے
پُرساں رہا نہ کوئی تو چُپ چاپ مر گئے (اکبرؔ الٰہ آبادی)

زمانے کی ستم ظریفی نے کسی کو نہیں بخشا۔!

جناب صفی اورنگ آبادی کے تیسرے استاد

محمد عبدالولی فاروقی فروغ حیدرآبادی مرحوم

محمد عبدالولی فاروقی (ولی میاں) المتخلص فروغ حیدرآبادی اُس وقت تولد ہوئے جبکہ حیدرآباد میں صرف شعرائے کرام ہی کروفر کی زندگی گزار سکتے تھے اور اس زندگی کے پس منظر میں حیدرآباد کے رؤسا و نوابین کی ایک زرین تاریخ ہے۔ فروغ صاحب، محمد عباس علی فاروقی وکیل مرحوم کے اکلوتے صاحبزادے تھے گھریلو زندگی پُرسکون اور خوشحال ہو تو زندگی سے کشاکش جیسی توانائی ختم ہو جاتی ہے اور فنونِ لطیفہ کا ماحول سازگار ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب کسی دربار سے وابستگی ہو جائے تو بس اللہ دے اور بندہ لے' والا مصداق ہو جاتا ہے۔ فروغ صاحب شاعری ہی کرتے رہے۔ ۱۸۷۶ء میں غالباً پیدا ہوئے تھے، تاریخِ وفات ۲۸ راپریل ۱۹۲۹ء معتبر ہے۔ جوان ہوئے تو کہاں کہاں ملازمت اختیار کی، صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکا البتہ پختہ عمر میں مہاراجہ کشن پرشاد کے دربار سے وابستہ ہو گئے اور دارِ فانی چھوڑنے تک دربار ہی سے وابستہ رہے' یہ بات مجھے فروغ صاحب کے واحد فرزند مولوی عبدالعزیز فاروقی نے بتائی جو میرے دوست سلام خوشنویس کے سمدھی ہوتے ہیں اور لگ بھگ ۸۵ سال سے زندہ ہیں۔ پیدائش کے وقت بھی "وضعدار" تھے اور ماشاءاللہ اب بھی وضعداری سے اپنی سانسیں پوری کر رہے ہیں۔ عزیز بھائی اپنے والد ماجد کے قصے سناتے تھے۔ تعلیم سے آشنا گھر تھا اور اُس زمانے کے گھرانے عربی، فارسی اور اُردو کی استعداد تعلیم تو رکھتے تھے جن کے بل بوتے پر فنونِ لطیفہ کے میدان میں شہسواری کر سکیں۔ خود عزیز بھائی نظام کالج کے پرانے گریجویٹ ہیں۔ فروغ صاحب کا زمانہ تو اور بھی بارونق تھا۔ عزیز بھائی ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے' فروغ صاحب کا سایہ اُٹھ گیا، سایہ کیا اُٹھ گیا کہ یہ بھی بتوں کے سائے کو ترستے رہ گئے۔۔ ایسے حالات میں باپ کی جائیداد ہو کہ ترکہ' کارنامے ہوں کہ ورثہ کیسے ہوش رہتا ہے کہ کیا قیمتی ہے۔ کوئی ۲۰/۲۵ غزلیں وہ بھی عزیز بھائی کی لڑکیوں کی وجہ سے محفوظ رہ گئیں اور ایک اگلے وقتوں کی تصویر!

ہمعصر شعراء میں میر محبوب علی خاں آصف' مہاراجہ کشن پرشاد' نواب مشرف جنگ فیاض' عزیز یار جنگ عزیز' سید رضی الدین حسن کیفی' جلیل مانک پوری' اختر مینائی' عبداللہ خاں ضیغم شہزاد' حافظ مرزا منیر الدین ضیاء گورگانی' شفیقہ کنتوری' معلی حیدرآبادی' علی شاہ ترکی' میر خیرات علی خاں سخی

سید احمد حسین امجد حیدرآبادی، سیتل پرشاد خرّم، حکیم ظہور احمد ظہور دہلوی، ہرمز حیدرآبادی وغیرہم اور تلامذہ ہیں، بدیع الدین بیانؔ، ہاشم علی ضوؔ، نظام الدین عارفؔ، عبدالحمید خاں خیالیؔ، حافظ ابو نعیم عیشؔ، ابوالخلیل سید غوث یقینؔ اور بہبود علی صفیؔ اورنگ آبادی۔ تلامذۂ فروغؔ حیدرآبادی میں ہمارے عزیز بھائی، حضرت صفیؔ اورنگ آبادی کے بارے میں نہایت گرمجوشی سے کہتے ہیں، صفیؔ صاحب نے، اپنی موجودگی میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ فروغؔ صاحب کھڑے ہوں اور یہ بیٹھے رہیں۔ اِن کا کہنا ہے کہ اُس وقت وہ کوئی ۱۴ سال کے ہوں گے، صفیؔ صاحب جس انداز سے اپنے استاد کو چاہتے تھے، انھوں نے کسی اور کو نہیں دیکھا۔ چنانچہ صفیؔ صاحب نے خود اس کا برملا اظہار بھی کیا ؎

صفیؔ استاد بنا ہو تو استادانِ عالم کی!
اُٹھاؤ جوتیاں تازہ کرو حقّے، بھرو چلمیں

نمونۂ کلام حضرت فروغؔ حیدرآبادی

زندگی اُس کی، نصیب اُس کے، ہیں راتیں اُس کی
جس کو ہو جلوۂ دیدار میسّر تیرا

تیری رفتار نے نشان دیا!
نام سُنتے تھے ہم قیامت کا

دو دِن کے حُسن پر نہ کرو ناز اِس قدر
رُخ کی ہوا رہی جو تمہاری ہوا رہے

اے فروغؔ آفتاب ہے گویا
ایک اِک داغؔ کے گھرانے کا

رشکِ دشمن ہی سے بھڑکی آتشِ عشقِ حبیب
پھول کی وقعت بڑھاتا ہے کھٹکنا خار کا

جاؤ اپنی راہ لو، قاتل یُونہی ہوتے ہیں کیا
آج تک تم کو نہ آیا باندھنا تلوار کا

مُنہ سے تو کہہ رہے ہو کہ آئیں گے ہم ضرور
تیور بتا رہے ہیں کہ آیا نہ جائے گا

تصدق کیوں نہ ہوں سو جان سے چشمِ تصوّر کے
کھنچا رہتا ہے نقشہ سامنے رُوئے منوّر کا

عجب انداز سے طے ہو رہی ہے منزلِ جاناں
نہ مجھ کو پاؤں کی دُھن ہے نہ تجھ کو دھیان سر کا

محبت، عشق، دِل آنا، یہ سب کہنے کی باتیں ہیں
یہ دُنیا ہے کوئی دم کی، تماشا ہے گھڑی بھر کا

الٰہی آسماں ٹوٹے کبھی شب ہائے فرقت پر
پڑے ہیں جان کے لالے مصیبت ہے مصیبت پر

دِل نہیں ملنے کا پھر میرا ستمگر ٹوٹ کر
چیز یہ ایسی نہیں جُڑ جائے گی جو پھوٹ کر

جبیں سائی سے میری مِٹ گیا تقدیر کا لکھا
مقدّر گھِس گیا آخر کو سنگِ آستاں ہو کر

غرضیکہ اگلے وقتوں کے ہر میدان کے اساتذہ و تلامذہ اب چراغِ رُخِ زیبا لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے۔ استاد اور شاگرد کا رشتہ بھی اب تقریباً مسخ ہو گیا ہے۔ اخگر

حضرت صفی اورنگ آبادی کے چوتھے استاد

حضرت سید رضی الدین حسن کیفی مرحوم

ابوالرضا سید رضی الدین حسن کیفی ۱۴ر شعبان ۱۲۹۷ھ بروز جمعہ محلہ مغل پورہ حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ابوالبرکات سید شاہ غازی نظام الدین احمد رضوی مشائخینِ حیدرآباد سے تھے، حضرت کیفی ان کے اکلوتے فرزند تھے۔ حضرت کیفی کے اجداد کا تعلق جنیر شریف [قریب پور] سے تھا جہاں ان کے بزرگوں کی درگاہوں کے سالانہ عُود و گل کے سلسلے میں جاگیری معاش تھی۔ ان کی دادی حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کی پوتی ہوتی تھیں۔ حضرت کیفی نے ابتداءً اپنے گھر میں والد اور مولوی عبدالجلیل نعمانی سے تعلیم پائی بعد میں دارالعلوم ہائی اسکول میں شریک ہوئے اور یہیں سے فارغ التحصیل ہوئے۔

حضرت کیفی نے بہت کم عمری میں شعر کہنا شروع کیا تھا۔ شاعری ان کی فطرت میں ودیعت کر گئی تھی۔ انھوں نے حضرت فیضؒ کے شاگرد رشید مولوی حفیظ الدین یاسؔ سے اپنے کلام پر اصلاح لی بعد ازاں شمس الحق صوفی سجاد علی میکشؒ کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ حضرت میکش کے فیضِ تلمذ نے یہ اثر دکھایا کہ ایک نشست میں دو دو سو شعر کہنا ان کے لیے بار نہ تھا۔ اس مشقِ سخن کی وجہ سترہ سال کی عمر میں رتبۂ استادی حاصل ہوگیا تھا۔ چنانچہ حضرت میکشؒ نے ایک سند بھی تحریر فرمادی تھی اور اپنی زندگی ہی میں جملہ شاگردوں کو نصیحت کردی تھی کہ وہ اپنا کلام حضرت کیفی کو دکھایا کریں۔ آخر میں حضرت میکش نے بھی خود اپنا دیوان انھیں دیا اور کہا کہ "کیفی ذرا تم اس کو دیکھ لو، اب ہم ضعیف ہوگئے معلوم نہیں کیا کیا لکھ دیا ہے"۔ حضرت کیفی اپنی وفات سے تین سال قبل دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں مصحح کی خدمت پر مامور ہوئے۔ حضرت اجمیریؒ سے خاص عقیدت تھی، زیارت کرنے گئے تو ۵ رجب ۱۳۳۸ھ کو اچانک انتقال کر گئے۔ تارہ گڑھ کے راستہ پر ایک قبرستان [illegible] کی آرام گاہ ہے۔ حضرت کیفی کے فرزند شمس [illegible] [illegible] علم کے

نمونۂ کلام

محبت میں کیا کیا نہ کچھ جور ہو گا | ابھی کیا ہوا ہے ابھی اور ہو گا
ایسے آنے سے تو نہ آنا تھا | آتے ہی تذکرہ ہے جانے کا
ہم نے اِن آنکھوں سے کیا کیا نہ تماشے دیکھے | جب سمجھ آئی تو اپنے کو تماشہ سمجھا
غیروں سے ہمیشہ ملنے والے | ہم سے بھی کبھی کبھی مِلا کر
وہی کیفی وہی رستہ ہے آندھی ہو کہ بارش ہو | چلے آتے ہیں حضرت میکدے سے ایک ہی کَن کے
دِل لینے کے انداز بھی کچھ سیکھ گیا ہوں | صحبت میں حسینوں کی بہت دن رہا ہوں
آدمی میں کوئی کمال تو ہو | نہ ہو یوسفؑ نہ ہو، بلالؓ تو ہو
اب تو میخانے میں کیفی ایک سنّاٹا سا ہے | وہ جھمیلے میکشوں کے اور وہ کچھ پچ گئی
دَوا بازار میں کم تھی، نہ کچھ گھر میں غذا کم تھی | مگر بیمارِ غم کی، آہ! عمرِ بے وفا کم تھی
یہی جھگڑا رہا زمانے میں | تیری روٹی ہے اور دال مِری
بات کیجے ذرا سنبھل کے حضور | ایسے کیوں آ رہے ہیں تُل تُل کے
عجب حال ہے میکدہ کا بھی کیفی | صُراحی چلی، پیالیاں چلتے چلتے
نکیلے اور سجیلے اور نرالے اور عجب نکلے | لڑکپن میں ستم تھے وہ جوانی میں غضب نکلے
تجھے اے مری جان اللہ رکھے | ہے اللہ کی شان اللہ رکھے
ابھی عاشقوں کا ہجوم اور ہو گا | یہ ڈیوڑھی یہ دربان اللہ رکھے
ہماری یہ بانی بھی اللہ نہ بانا ہے | حسینوں میں بھی آن اللہ رکھے
مجھے دیکھ کے ہنس کے فرمائے ہیں وہ | ہیں ایسے بھی انسان اللہ رکھے
کیفی جناب میر کا مصرعہ ہے حسبِ حال | "اِس عاشقی میں عزّتِ سادات بھی گئی"
وہ خفا بے سبب نہ ہو جائے | کہیں ایسا غضب نہ ہو جائے
لگا ہے گا ہے بھی تم پیا نہ کرو | رفتہ رفتہ طلب نہ ہو جائے

خفا ہونا، بگڑنا، رُوٹھنا، انجان ہو جانا
تری اِن ٹیڑھی باتوں کو بھی ہم نے بانکپن جانا



سیّد رضی الدّین حسن کیفی



پروفیسر یعقوب عمر



ڈاکٹر زینت ساجدہ



محمّد نور الدّین خاں



خواجہ معین الدّین عزمی

محبوب علی خاں اخگر

روبرو

محاوراتِ صفی پر یہ تالیف آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ دکن کے اِس نامور اور ہر دل عزیز شاعر کا کلام جب بھی پڑھا جاتا ہے ایک نیا لطف دیتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ نصف صدی گزر جانے کے باوجود آج کے بدلے ہوئے حالات و واقعات پر بھی اکثر اشعار ایسی چستی سے منطبق ہوتے ہیں کہ لوگ انگشت بدنداں رہ جائیں۔ اس میں روز مرّے اور محاوروں نے وہ فصاحت و بلاغت پیدا کردی ہے کہ عوام الناس دم بخود رہ جائیں۔ مولانا حالی رقم طراز ہیں۔

اہلِ زبان عموماً اس شعر کو زیادہ پسند کرتے ہیں جس میں روز مرّے کا لحاظ کیا گیا ہو اور اگر روز مرّے کے ساتھ محاورے کی چاشنی بھی ہو تو وہ ان کو اور بھی زیادہ مزا دیتی ہے مگر عوام اور خواص کی پسند میں بہت بڑا فرق ہے عوام محاورے یا روز مرّے کے ہر شعر کو سن کر سر دُھننے لگتے ہیں۔ چاہے شعر کا مضمون کیسا ہی متبذل یا رکیک اور سبک ہو اور محاورہ بھی کیسا ہی بے سلیقگی سے باندھا گیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن اسلوبوں میں وہ ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہیں جب انہیں اسلوبوں میں وزن کی کھچاوٹ (وزن کا آہنگ) اور قافیوں کا تناسب دیکھتے ہیں، اور معمولی بات چیت کو شعر کے سانچے میں ڈھلا ہوا پاتے ہیں تو ان کو ایک نوع کا تعجب اور تعجب کے ساتھ خوشی پیدا ہوتی ہے۔ . . . پس جب کوئی شعر باوجود [illegible]

تو لامحالہ اس سے ہر صاحبِ ذوق کو تعجب ہوتا ہے مثلاً انشا ۔ ۔ ۔ ۔ بیان کرتے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں، ہم بیزار بیٹھے ہیں

یا مثلاً غالب اتنے بڑے مضمون کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دو مصرعوں میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی
اُٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے (مقدمہ شعر و شاعری)

ذوق سے داغ اور وہاں سے صفی تک جو شاعروں اور مکتبِ سخن کا سلسلہ ہے وہ روزمرّے لطفِ زبان اور محاورے کی چاشنی سے عبارت ہے۔ داغ کے ہاں البتہ اس سلسلے میں یہ اعتدال ہی رہتی ہیں۔

تہذیب اور شائستگی کا دامن چھوٹتا نظر آتا ہے مگر صفی متانت اور سنجیدگی سے اپنے رہوارِ سخن کو تھامے رہتے ہیں! اعلیٰ اقدار پر مشتمل اخلاقی مضامین سے مزّین ان کا روزمرہ اور محاورہ انھیں سوقیانہ پن اور ابتذال کی سرحدوں سے دور رکھتا ہے۔ ان کے اشعار انہی خوبیوں کی بناء پر زبان زدِ خاص و عام ہوجاتے تھے۔ لطفِ زبان کی چستی۔ محاوروں کی برجستگی اور روزمرّے کی چاشنی نے ان کے اکثر اشعار اور مصرعوں کو ضرب الامثال کے درجے تک پہونچا دیا ہے۔

صفی کے زمانے میں سرکاری سرپرستی ہمیشہ شمالی ہند کے شاعروں اور ۔۔ں سے مرعوب رہی اور اس باکمال شاعر کو مقتدرانِ وقت نے ہمیشہ گھر کی مرغی سے زیادہ وقعت نہ دی، یہ ایک ایسا المیہ ہے کہ جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ شمالی ہند کے شعر و ادب کے اجارہ دار ہمیشہ میر۔ غالب۔ حالی۔ جوش۔ جگر جیسے شعراء کو صفِ اوّل کے شعراء کا مرتبہ عطا کرتے رہے۔ ان کے دیوانوں کے اردو ہندی اڈیشن دھڑا دھڑ شائع ہوتے رہے۔ ان کے کلام کو مدرسوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اردو نصاب میں شامل کیا گیا مگر ہائے افسوس کل ہند پیمانے پر تو کجا عثمانیہ یونیورسٹی کے اردو نصاب میں بھی صفی کے اشعار کو کما حقہٗ مقام نہ مل سکا۔ جہاں ہندوستان کے طول و عرض میں شمالی ہند کے ۔۔۔ شعراء کے مجموعہ کلام آسانی سے دستیاب ہوتے ہیں وہاں آج تک دکن

میں صفی کا ایک نمائندہ انتخاب بھی اُردو کتابوں کی دوکانوں پر دستیاب نہیں۔ یہ صورتحال بدلنی چاہیے۔
بہرحال محاوراتِ صفی حاضر ہے۔ مَیں مسرور ہوں کہ دکن کے بلند پایہ شاعر، مسلم الثبوت استادِ سخن وانشاپرداز حضرت صفی اورنگ آبادی کے شعری وادبی کارناموں کو منظرِ عام پر لانے کا مجھے شرف ملا اور مطمئن ہوں کہ میں نے اس عظیم شاعر کی تمام شعری وادبی صفات کو دستاویزی شکل دے دی ہے۔ "محاوراتِ صفی" حضرت صفی پر میری پانچویں کتاب ہے۔ اِس کتاب کی اہمیت وافادیت اِس لیے بھی ہے کہ حضرت صفی کو دکنی محاورات کا شہنشاہ کہا جاتا ہے۔ وہ محاورات کو اشعار میں برتنے پر قدرت رکھتے تھے اور اس قدر سادہ و دل نشین انداز میں استعمال کرتے تھے کہ اشعار عوام کے دِلوں کی دھڑکن بن جاتے تھے۔ جس زمانے میں حضرت صفی بقیدِ حیات تھے اور ان کا طوطی بولتا تھا ہر شخص کی زبان پر حضرت کے اشعار ہوتے تھے اور محفلوں میں جب گلوکار ان کے کلام کو دل نشین دُھنوں میں ساز پر گاتے تھے تو سامعین پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اِس کتاب میں حضرت صفی کے وہ تمام مشہورِ زمانہ اشعار موجود ہیں جس میں دکنی محاورات کا برجستہ استعمال، نادر تشبیہات، خوبصورت استعارے، کہاوت، ضرب الامثال اور روزمرّہ کا شائستہ استعمال ہے۔ مجھے یقین ہے کہ نہ صرف اہلِ نظر اس کی بھرپور پذیرائی کریں گے بلکہ نئی نسل بھی پڑھے گی تو عہدِ کہنہ لوٹ آئے گا اور ایک بار پھر حضرت صفی کے اشعار مقبولِ عام ہو جائیں گے۔

آخر میں ان تمام کرم فرماؤں کا تہِ دل سے ممنون ہوں جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں میرے ساتھ مکمل تعاون کیا، جن کے اسمائے گرامی ہیں:

ڈاکٹر زینت ساجدہ، پروفیسر یعقوب عمر صاحب، خواجہ معین الدین عزمی صاحب امریکہ، محمد نورالدین خاں صاحب، محمد مشتاق احمد صاحب، رؤف رحیم صاحب، سلام خوشنویس صاحب محمد عبدالرؤف صاحب خوشنویس، ولی محمد صاحب آرٹسٹ، عبدالرؤف صاحب، پروپرائٹر دائرہ پریس، افضل صاحب حفیظیہ بُک بائنڈنگ ورکس اور آخر میں پھر ایک مرتبہ ڈاکٹر زینت ساجدہ کا ممنون ہوں، جنھوں نے مجھے "محاوراتِ صفی" کی اشاعت کے لیے مجھے اُکسایا۔

ڈاکٹر زینت ساجدہ

صفی ـــــ محسنِ اردو

خیال بغیر الفاظ کے ظاہر نہیں ہوسکتا۔ الفاظ یا بیان کی قدرت بغیر زبان کی نزاکتوں کو جانے حاصل ہونا مشکل ہے۔ اچھے ادب کے لیے زبان کی سلاست و فصاحت، لفظوں کی کاریگری و صناعی، آرائش و زیبائش کو سمجھنا اور مشق و مداولت ضروری ہے اس کے لیے اساتذہ کا کلام پڑھنا لازمی ہوجاتا ہے۔ داغؔ کا اردو زبان پر یہ بڑا احسان ہے کہ انھوں نے اپنے دَور کے بہت سے محاورات و الفاظ کو اپنے اشعار میں محفوظ کردیا ہے۔ محاوراتِ داغؔ پر کام بھی ہو چکا ہے۔ اسی طرح دکن کے ایک ماہر زبان شاعر صفیؔ اورنگ آبادی بھی ہیں جنھوں نے بطورِ خاص متداول روزمرّہ اور محاورات کو داخلِ شعر کیا ہے اس موضوع پر کام کرنے کے لیے ایسے شخص کی ضرورت تھی جو صفیؔ کے کلام کا دلدادہ ہو اور اس کے لیے جانکاہی سے کام کرنے کے لیے آمادہ بھی ہو۔

مجھے بڑی خوشی ہے کہ محبوب علی خاں اخگر اس کام سے بخوبی عہدہ برا ہوئے ہیں ہماری نئی نسل کے شاعروں اور نثر نگاروں کے لیے ان کا یہ کام بڑی افادیت رکھتا ہے کیوں کہ زبان کی مہارت نہ ہونے پر اکثر عجز بیانی کا شکار ہو جاتے ہیں یہ کتاب صفیؔ پران کی پانچویں تالیف ہے اور وہ خدمتِ زبان کے سرمایے میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

کوہسار ۲۴/۵۶۳-۳-۶
ایرم منزل کالونی

۳۰ / اکتوبر
۱۹۹۷ء

پروفیسر یعقوب عمر
شعبۂ فارسی نظام کالج

محاورہ بندی

روزمرے اور محاورے سے زبان وبیان میں بلا کی تاثیر پیدا ہوجاتی ہے مگر کبھی کبھی بے اعتدالی سے شاعری کا معیار بھی گرجاتا ہے۔ اردو زبان کئی نشیب وفراز سے گزری ہے اور اب سیاسی وسماجی سرپرستی کے فقدان سے اُس کی آب وتاب میں بہت فرق آگیا ہے۔ ایک زندہ زبان میں محاورے بنتے بھی ہیں اور متروک بھی ہوتے رہتے ہیں مگر اس پُرآشوب دَور میں روزمرے اور محاورے دونوں میں انحطاط نظر آرہا ہے۔

مکتب داغ کے مشہور شاعر وادیب مولانا حفیظ الرحمٰن واصف دہلوی لکھتے ہیں۔

"دِلی والے خود اپنی زبان بھول گئے۔ ان کی اصلاح کرنے والا کوئی نہ رہا۔۔۔"

مولانا کو شکایت ہے کہ "سکتی" کی جگہ "سکا" اور "چل سکیگی" کی جگہ "چل پائے گی" اور اسی قسم کے بہت سے غلط الفاظ، صحیح روزمرے کی جگہ بولے جانے لگے ہیں اور یہ الفاظ اردو داں لوگ استعمال کر رہے ہیں اگر دور دراز کے لوگ اس قسم کی غلطی کریں تو مولانا کا بیان ہے کہ "ہم اس سے تعرض نہیں کریں گے لیکن اگر دہلی کا باشندہ اس طرح بولے گا تو ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اس کو ٹوکیں اور صحیح وفصیح تلفظ بتائیں۔۔۔"

مولانا جدت برائے جدت کے قائل نہیں لکھتے ہیں۔

"اگر ہر قسم کی تبدیلی یا اختراع وجدت کا نام ارتقائے زبان ہے تو بے شمار گھناؤنے الفاظ اور مکردہ محاورے بزم فصاحت کے مسند نشین ہوجائیں گے اور ذوق سلیم کسی گوشے میں بیٹھ کر آنسو بہاتا رہے گا۔۔۔" (ادبی بھول بھلیاں)

داغ مرحوم اور ان کے تلامذہ دورِ حاضر کی عالمگیر اور صالح زبان اردو کے معمار ہیں، صفی اورنگ آبادی جن کی شاعری کا سلسلۂ نسب داغ سے ملتا ہے حیدرآباد دکن

ہیں اسی روایت کے امین رہے اور کبھی کبھی ضرورت شعری کی بناء پر لُطف زبان ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ مگر آج کل شاعر بہت تیزی سے بن رہے ہیں اور شعروں میں عجیب وغریب محاورات استعمال کر رہے ہیں"۔ مولانا واصف فرماتے ہیں کہ

"ضرورت شعری کی وجہ سے زبان و لُغت کو قربان نہیں کیا جاسکتا۔ پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ لفظ ازروئے قواعد غلط، فصاحت سے گرا ہوا اور محاورے کے خلاف نہ ہو ورنہ شعر کہنے کی کیا ضرورت ہے"۔ (لغات کی تحقیق۔ کتاب نما اگست ۶۸ء)

محاورہ کیا ہے محاورہ عربی لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنی گفتگو کرنا اور جواب دینا ہیں اور اس کا مادہ "حور" ہے (مصباح اللغات) فارسی میں بھی یہ لفظ اسی مفہوم میں مستعمل ہے۔ علاقائی بولی کے لیے ایرانی "محاورہ ای" استعمال کرتے ہیں۔

صاحب فرہنگ آصفیہ (جلد چہارم ص ۳۰۳) لکھتے ہیں۔

مُحَاوَرَات (ع) اِسم مؤنث (محاورہ کی جمع)

مُحَاوَرَہ۔ (ع) اِسم مذکر (۱)۔ ہمکلامی۔ باہمی گفتگو۔ بول چال۔ بات چیت سوال جواب۔ (۲)۔ اِصطلاح عام۔ روزمرّہ۔ وہ کلمہ یا کلام جسے چند ثقات نے لغوی معنی کی مناسبت یا غیر مناسبت سے کسی خاص معنی کے واسطے مخصوص کرلیا ہو۔ جیسے حیوان سے کُل جاندار مقصود ہیں مگر محاورے میں غیر ذوی العقول پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور ذوی العقول انسان کو کہتے ہیں

(۳)۔ عادت۔ لپکا۔ مہارت۔ مشق۔ ربط۔ ابھیاس

جیسے مجھے اب اس بات کا محاورہ نہیں رہا۔

معلوم ہوا کہ اردو میں لفظ "محاورہ" نے ایک اصطلاحی مفہوم بھی پیدا کرلیا جو عربی فارسی میں ناپید ہے۔ اسے انگریزی میں IDIOM کہتے ہیں چنانچہ مولوی عبدالحق نے اپنی ڈکشنری میں IDIOM اور IDIOMATIC کا مفہوم بالترتیب "محاورہ" اور "با محاورہ" لکھا ہے۔ فارسی میں اسے "زبانزد" اصطلاح اور اصطلاحی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مسعود حسن رضوی ادیب لکھتے ہیں۔

"ہماری زبان میں لفظوں کا مجازی معنوں میں استعمال بہت عام ہے مثلاً وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ یہ خبر سُن کر ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ زید پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ایسے ہی بے شمار جملے ہیں جو ہماری زبان کی قوّت اور بیان کی زینت ہیں۔ اگر کوئی شخص ان جملوں کے لغوی معنی مراد لے تو اُس کو یہ جملے حقیقت کے خلاف اور قیاس سے دُور معلوم ہوں گے۔ (ہماری شاعری)

مولانا حالی نے مقدمہ شعر و شاعری میں۔ محاورہ اور محاورہ بندی کے مخصوص اردو مفہوم کو تفصیل سے بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"محاورہ لُغت میں مطلقاً بات چیت کرنے کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ بات چیت اہلِ زبان کے روزمرّہ کے موافق ہو خواہ مخالف لیکن اصطلاح میں خاص اہلِ زبان کے روزمرّہ یا بول چال یا اسلوب بیان کا نام "محاورہ" ہے پس ضرور ہے کہ محاورہ تقریباً ہمیشہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ میں پایا جائے کیوں کہ مفرد الفاظ کو روزمرہ، بول چال یا اسلوب بیان نہیں کہا جاتا۔

کبھی محاورہ کا اطلاق خاص کر ان افعال پر کیا جاتا ہے جو کسی اسم کے ساتھ مل کر اپنے حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ مجازی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے "اتارنا" اس کے حقیقی معنی کسی جسم کو اُوپر سے نیچے لانے کے ہیں مثلاً گھوڑے سے سوار کو اُتارنا کھونٹی سے کپڑا اُتارنا۔ کوٹھے پر سے پلنگ اُتارنا۔ ان میں سے کسی پر محاورے کے یہ دوسرے معنی صادق نہیں آتے کیوں کہ ان سب مثالوں میں "اتارنا" اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ ہاں نقشہ اُتارنا۔ نقل اُتارنا۔ دل سے اتارنا۔ دل میں اُتارنا .... یہ سب محاورے کہلائیں گے کیوں کہ ان سب مثالوں میں "اتارنے" کا اطلاق مجازی معنوں پر کیا گیا ہے۔

روٹی کھانا۔ دوا کھانا۔ افیم کھانا وغیرہ کو کسی دوسرے معنی کے لحاظ سے محاورہ نہیں کہا جائے گا کیوں کہ ان سب مثالوں میں "کھانا" اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ ہاں غم کھانا۔ قسم کھانا۔ دھوکا کھانا۔ پچھاڑیں کھانا۔ ٹھوکر کھانا۔ یہ سب محاورے

کہلائیں گے۔"

روزمرّہ اور محاورہ کا فرق

روز مرّہ۔ بول چال اور گفتگو کا خاص انداز ہے جس کی پابندی کثرت سے کی جائے اور عوام وخواص دونوں اس کی پیروی کرتے ہوں لیکن محاورہ کا اطلاق صرف اسی پر ہوگا جو اپنے حقیقی معنوں کے برخلاف مجازی معنوں میں برتا گیا ہو۔ حالی لکھتے ہیں کہ

"روٹی کھانا، میوہ کھانا یا پانچ سات یا دس بارہ (جیسے الفاظ) نہ صرف پہلے معنوں کے لحاظ سے محاورہ قرار پا سکتے ہیں، نہ دوسرے معنوں کے لحاظ سے، کیوں کہ یہ تمام ترکیبیں اہلِ زبان کی بول چال کے موافق تو ضرور ہیں مگر ان میں کوئی لفظ مجازی معنوں میں مستعمل نہیں ہوا۔

روزمرّے اور محاورے میں من حیث الاستعمال ایک اور بھی فرق ہے۔ روزمرّے کی پابندی جہاں تک ممکن ہو تقریر و تحریر اور نظم و نثر میں ضروری سمجھی گئی ہے یہاں تک کہ کلام میں جس قدر روزمرّے کی پابندی کم ہوگی اُسی قدر وہ فصاحت کے درجے سے ساقط سمجھا جائے گا۔

مثلاً۔ کلکتے سے پشاور تک سات آٹھ کوس پر ایک پختہ سرائے اور ایک کوس پر مینار بنا ہوا تھا۔ یہ جملہ روزمرّہ کے موافق نہیں ہے۔ بلکہ اس کی جگہ یوں ہونا چاہیے ــــ "کلکتہ سے پشاور تک سات سات آٹھ آٹھ کوس پر ایک ایک پختہ سرائے اور کوس کوس پر ایک ایک مینار بنا ہوا تھا"

مثلاً۔ آج تک اُن سے ملنے کا موقع نہ ملا۔ یہاں "نہ ملا" کی جگہ "نہیں ملا" ہونا چاہیے۔

یا۔ وہ خاوند کے مرنے سے درگور ہوئی۔

یہاں ــــ "وہ خاوند کے مرنے سے زندہ درگور ہوگئی"۔ ہونا چاہیے۔

"الغرض نظم ہو یا نثر دونوں میں روزمرّے کی پابندی جہاں تک ممکن ہو ضروری ہے مگر محاورے کا ایسا حال نہیں ہے۔ محاورہ اگر عمدہ طور پر باندھا جائے تو بلاشبہ پست شعر کو بلند اور بلند کو بلند تر کر دیتا ہے لیکن ہر شعر میں محاورہ کا باندھنا ضروری

نہیں بلکہ ممکن ہے کہ شعر بغیر محاورے کے بھی فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ درجے پر واقع ہو اور ممکن ہے کہ ایک پست اور ادنیٰ درجے کے شعر میں بے تمیزی سے کوئی لطیف و پاکیزہ محاورہ رکھدیا گیا ہو ایک شعر ہے ؎

گوہر اشک سے لبریز ہے سارا دامن
آج کل دامنِ دولت ہے ہمارا دامن

اس شعر میں کوئی محاورہ نہیں باندھا گیا۔ اس کے باوجود شعر قابلِ تعریف ہے دوسری جگہ یہی شاعر کہتا ہے ؎

اس کا خط دیکھتے ہیں جب صیاد
طوطے ہاتھوں کے اُڑا کرتے ہیں

اس شعر میں نہ کوئی خوبی ہے نہ مضمون ہے۔ صرف ایک محاورہ باندھا گیا ہے اور وہ بھی روزمرّہ کے خلاف۔ یعنی اُڑ جاتے ہیں کی جگہ اُڑا کرتے ہیں۔ محاورے کو شعر میں ایسا سمجھنا چاہیئے۔ جیسے کوئی خوبصورت عضو۔ بدن انسان میں۔ اور روزمرّہ کو ایسا جاننا چاہیئے جیسے تناسب اعضا، بدن انسان میں۔ جس طرح بغیر تناسب اعضاء کے کسی خاص عضو کی خوبصورتی سے حُسنِ بشری کامل نہیں سمجھا جا سکتا اسی طرح بغیر روزمرّہ کی پابندی کے محض محاورات کے جا و بیجا رکھ دینے سے شعر میں خوبی پیدا نہیں ہو سکتی۔'' (مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی)

حالی کے اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض شعراء محاورہ بندی میں حدّ اعتدال سے گزر جاتے ہیں جس سے شعر کا معیار متاثر ہو جاتا ہے۔ وحیدالدین سلیم لکھتے ہیں کہ:

''ایک گروہ شاعروں کا ہمارے ہاں ایسا ہے جو رات دن زبان باندھنے کے درپے رہتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو روزمرّہ کی ترکیبوں اور زبان کے محاوروں کو روشناس کرے۔۔۔۔ اس قسم کے شعراء دانستہ ایسی زمینیں غزلوں کے لیے انتخاب کرتے ہیں جن میں ردیف کوئی فعل ہو یا فعل کے مشتقات میں سے ہو۔ پھر کوشش کرتے ہیں کہ اس فعل کے ساتھ لفظوں کے ملانے سے جتنے محاورات بنتے ہیں حتی الوسع ان سب کو باندھ دیں۔ مثلاً ''توڑنا'' کی ردیف میں ایک شاعر نے ان محاوروں کو استعمال کیا ہے۔ توبہ توڑنا۔

دل توڑنا ۔ کمر توڑنا ۔ ہمت توڑنا ۔ تارے توڑنا ۔ پاؤں توڑنا ۔ وغیرہ وغیرہ (افاداتِ سلیم صفحہ ۳۷ / ۳۸)

محاورہ بندی کی اہمیت اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس موضوع پر بڑے بڑے شعراء اور تنقید نگاروں میں بحث و مباحثہ کے ساتھ ساتھ مراسلت بھی ہوتی رہی ہے مکتوبات داغ میں امیر مینائی اور داغ کے مابین اس موضوع پر اظہارِ خیال ملتا ہے مکاتیب جلیل دورِ شاعری (مہذب لکھنوی) اور نیاز فتحپوری کے رسالے "نگار" میں خود ان کے قلم سے "باب الانتقاد" کے عنوان سے محاوروں پر بحث ملتی ہے ۔ رسالے کتاب نما میں مولانا واصف دہلوی، ابو محمد سحر اور رشید حسن خاں اس موضوع پر لکھتے ہیں ۔ ایک شمارے میں "کھلے خطوط" کے کالم میں حمایت علی شاعر رقم طراز ہیں کہ ۔ (کتاب نما ۔ کھلے خطوط ۔ جنوری ۱۹۹۱ء)

"... ایک بار میں نے جوش صاحب سے نہایت مؤدب انداز میں پوچھا تھا کہ آپ نے ایک شعر میں فارسی محاورے کا اردو ترجمہ شاید قافیے کی مجبوری سے غلط کر دیا ہے ۔ چونک پڑے ۔ میں نے عرض کیا "فتنۂ خانقاہ" نظم کا ایک شعر ہے ؎

آہستہ چل رہی تھی عقیدت کی راہ سے
یا تو نکل رہی تھی دلِ خانقاہ سے

آپ نے ۔ از راہِ عقیدت ۔ کا لفظی ترجمہ کر دیا ہے ۔ اردو محاورہ ۔ راہ پر چلنا ۔ یا راہ سے لگنا ہے ۔ راہ سے چلنا قدرے غور طلب ہے ۔"

محاوروں کی تخلیق

محاوروں کی تخلیق میں سماجی، مذہبی، معاشی، تاریخی، ثقافتی اور طبی عناصر کارفرما رہتے ہیں ۔ جیسے لنگوٹی میں پھاگ کھیلنا ۔ ھُن برسنا ۔ آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہونا ۔ ریشہ خطمی ہونا ۔ مزاج درست کرنا ۔ نبض ٹٹولنا ۔ ایک دن کی بادشاہت ۔ نادر شاہی چلانا ۔ روزے گلے پڑنا وغیرہ ۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وحید الدین سلیم نے تلمیحی محاوروں کی تشکیل کا تذکرہ کیا ہے لکھتے ہیں:

تلمیحی محاورے

غت ربود کرنا

ایک محاورہ ہے ۔ اس کے معنی ہیں مطلب خبط کرنا ۔ قصہ یہ ہے کہ بوستان کا یہ شعر ؎ کہ سعدی کہ گوی بلاغت ربود ٭ در ایامِ بوبکر بن سعد بود

پڑھنے والے نے استاد سے پوچھا کہ "غت ربود" کے کیا معنی ہیں۔ اصل میں اُس نے بلاغت میں سے۔ غت۔ کو جُدا کر کے دوسرے لفظ۔ ربود۔ سے ملا دیا اور غت ربود کو ایک لفظ سمجھا۔

ٹیڑھی کھیر: ٹیڑھی کھیر کے معنی ہیں مشکل کام۔ کہتے ہیں ایک اندھے نے کسی شخص سے پوچھا۔ "حافظ جی کھیر کھاؤ گے"، اُس نے کہا کھیر کیسی ہوتی ہے؟ اُس نے کہا سفید۔ پوچھا سفید کیسی؟ کہا جیسے بگلا۔ اُس نے پوچھا بگلا کیسا ہوتا ہے؟ اُس نے ہاتھ ٹیڑھا کر کے دکھایا۔ اندھے نے ٹٹول کر کہا۔ یہ تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے ہم سے نہ کھائی جائے گی۔

بھیگی بلی بتانا: ایک تلمیحی محاورہ ہے یعنی بیجا عذر کرنا۔ ایک شخص مکان میں سو رہا تھا۔ وہیں اس کا نوکر بھی ایک طرف پڑا تھا۔ آقا نے نوکر کو کئی مرتبہ کام سے باہر بھیجنا چاہا مگر ہر مرتبہ وہ کوئی نہ کوئی نیا عذر تراش کر بیان کر دیتا کہ باہر نہ جانا پڑے۔ آخرکار آقا نے کہا۔ باہر بارش ہو رہی تھی، جا کر دیکھ ہو رہی ہے یا ختم ہو گئی؟ نوکر نے جواب دیا کہ ابھی ہو رہی ہے۔ آقا نے پوچھا تو نے کس طرح معلوم کیا؟ اس نے کہا کہ باہر سے ابھی ابھی بلی اندر آئی تھی اُس پہ ہاتھ پھیر کر دیکھا تو بھیگی ہوئی تھی۔ (افاداتِ سلیم ص ۱۴۱)

مرورِ زمانہ سے نئے نئے محاورات بنتے ہیں اور قدیم متروک ہو جاتے ہیں۔ مثلاً "محراب سُنانا"، یعنی رمضان میں تراویح کے دوران قرآن کی تلاوت کرنا۔ مہذب لکھنوی لکھتے ہیں۔ "محراب سُنانا حضرات اہلِ سنت کی خاص اصطلاح ہے۔ چنانچہ جو شخص اس قدر کلام پاک یاد کرے کہ تراویح میں امامِ جماعت بن کے قرآن مجید کو زبانی پڑھے تو کہتے ہیں کہ فلاں حافظ محراب سُنانے لگا یعنی اس قابل ہو گیا کہ تراویح میں روانی کے ساتھ پڑھ سکے۔ یہ محاورہ تذکرۂ علمائے فرنگی محل نامی کتاب میں مولوی عنایت اللہ نے ص ۱۶۱ پر مولوی غلام محی الدین کے تذکرے میں صرف کیا ہے جو حیدرآباد دکن میں وکالت کیا کرتے تھے۔ یہ محاورہ صرف اہلِ سُنت تک محدود ہے۔ عمومیت حاصل نہیں۔ عوام و خواص لکھنؤ اکثر و بیشتر ناواقف ہیں۔ (دورِ شاعری ص ۲۵)

اور اب یہ متروک بھی ہو چکا ہے۔

غیر اہلِ زبان دانشوروں سے محاورے کی غلطی

ہندوستان کے ایک بلند پایہ اردو فارسی شاعر ایران میں کسی کے ہاں مقیم تھے۔ ایک دن انھوں نے دیکھا کہ دودھ اُبلنے ہی والا ہے۔ سوچنے لگے "شیر می جوشد" کہوں یا "شیر بلند می شود" کہہ کر آواز دوں۔ اتنے میں ملازمہ چیختی ہوئی آئی "شیر سر می دہد۔ شیر سر می دہد"۔ شاعر صاحب دم بخود رہ گئے۔ جو جملے اُنھوں نے سوچے تھے وہ غلط نہ تھے مگر وہاں کے محاورے سے مطابقت نہ رکھتے تھے۔ اگر وہ آواز دیدیتے تو اہلِ خانہ کو معلوم ہوجاتا کہ وہ اہلِ زبان نہیں ہیں۔

مولانا واصف دہلوی نے "اردو کی بپتا" (مطبوعہ کتاب نما، ستمبر ۸۴ء) میں اور فتح محمّد خاں جالندھری نے مصباح القواعد میں حسبِ ذیل واقعہ سپردِ قلم کیا ہے۔

"قاموس" عربی زبان کا بڑا مشہور اور مُستند لغت ہے۔ تمام دنیا کے علماء فضلا اور ادبا اس کو سند مانتے ہیں۔ اس کی ایک شرح "تاج العروس" کے نام سے پندرہ سولہ جلدوں میں لکھی گئی۔ اس کے بعد اس کی بنیاد پر "لسان العرب" کے نام سے اٹھارہ جلدوں میں ایک ضخیم لغت مرتب کیا گیا۔

قاموس کے مؤلف علامہ مجد الدین کے والدین ایران سے جاکر عرب میں آباد ہوگئے تھے۔ غالباً ان کی پیدائش وہیں ہوئی۔ ادبی ذوق بچپن سے تھا۔ عربی لسانیات پر پورا عبور حاصل کیا۔ ایک عرب لڑکی سے شادی ہوئی۔ دلہن جب گھر میں آئی تو صاحبِ قاموس کی زبان سے یہ الفاظ اس کے کان میں پہونچے "اُقتُلِ السِّراج" وہ کسی سے کہہ رہے تھے کہ چراغ بجھا دو۔ عربی میں چراغ بجھانے کے لیے "اِطفاءُ" بولا جاتا ہے۔ جب کہ فارسی محاورہ ہے۔ "چراغ کشتن" جس کا لفظی ترجمہ ہوتا ہے "چراغ کو مار ڈالنا"۔ صاحبِ قاموس نے "اطفاء السراج" کے بدلے فارسی محاورے کا ترجمہ کردیا۔ "اُقتُلِ السراج"۔ دُلہن یہ سُنتے ہی "ھٰذا عَجَمِیٌّ۔ ھٰذا عَجَمِیٌّ" کہتی ہوئی چیختی چلّاتی باہر نکل آئی اور پاگلوں کی طرح اودھم مچا دیا کہ (یہ تو ایرانی ہے۔ یہ تو ایرانی ہے) نتیجہ یہ ہوا کہ تفریق ہوگئی۔

غور فرمایئے کتنا بڑا حادثہ ہوتا ایک نئی دُلہن شرم و حیا کو بالائے طاق

رکھ کر اس طرح نہیں نکل سکتی تھی۔ اپنی زبان وادب کے تحفظ کے لیے ایسی ہی دیوانگی کی ضرورت ہے۔

اردو محاوروں کا ارتقا

شمالی ہند کے فارسی گو شعراء کبھی کبھی مُنہ کا مزا بدلنے کے لیے اردو میں بھی طبع آزمائی کرلیا کرتے تھے۔ معزالدین فطرت کہتے ہیں۔ ؎

از زلفِ سیاہ تو بدل دُودم پری ہے
در خانۂ آیینہ گتا جُوم پری ہے

دُودم پری (دھوم پڑی) گتا جُوم پری (گھٹا جھوم پڑی)

یہ نقطۂ آغاز تھا اردو محاوروں۔ دھوم پڑنا اور جھوم پڑنا۔ کا قزلباش خاں اُمید کہتے ہیں۔ ؎

بامن کی بیتی آج موری آنکھ ہُوں پری ٭ غصّہ کیا و گالی دیا دو دگر لری

(برہمن) (بیٹی) (بہری) (بہا پڑی) (لڑکی)

(اس شعر میں "آنکھ میں پڑنا"، آنکھ پڑنا محاورے کی ابتدائی شکل ہے۔

جیسے جیسے اردو زبان کا دامن وسیع ہوتا گیا یہ ضرورت شدت سے محسوس ہونے لگی کہ فارسی محاوروں کو اردو میں منتقل کیا جائے۔ عہدِ ولی سے اس کام میں سُرعت پیدا ہوگئی۔ خود ولی دکنی کے کلام میں فارسی محاوروں کے ترجمے کی خوبصورت مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً جفا کشیدن۔ جفا کھینچنا۔ قول دادن۔ قول دینا۔ بجا ماندن۔ بجا رہنا۔ گوش کردن گوش کرنا یعنی سُننا۔ تیغ افشاندن تیغ جھاڑنا طرز گرفتن۔ طرز لینا وغیرہ وغیرہ۔
(ریختۂ ولی۔ نورالحسن ہاشمی)

بعض جگہ تو شاعروں نے صرف لفظی ترجمے کردیے تھے۔ غرض اس طرح فارسی کے سینکڑوں محاوروں کو اردو لباس پہنا دیا گیا۔ ان میں سے جو واقعی خوبصورت اور برجستہ تھے وہ جزوِ زبان بن گئے۔ جن میں نامانوسیت تھی اُسے خود زمانے نے ٹکسال باہر کردیا۔

شروع شروع میں اس سلسلے میں دو پہلو سامنے آئے۔ ایسے فارسی محاورے

جو زبان زد خاص و عام تھے اور جنھیں بچہ بچہ سمجھ سکتا تھا بعینہٖ اردو میں لے لیے گئے البتہ اِن کا ترجمہ کر لیا گیا جو اردو کے مزاج سے ہم آہنگ نہ تھے

فارسی محاورے

(۱) یک نہ شُد دو شُد (۱)

وعدہ جو کل کا آج پہ تھا سو ہوا خلاف ٭ پھر آج آپ کہتے ہیں کل یک نہ شد دو شد (قائم)

(۲) این گل دیگر شگفت۔

باغ میں روتا ہوں خوں این گل دیگر شگفت ٭ موسم گُل میں جنوں این گل دیگر شگفت (شرف)

(۳) ہر کارے و ہر مردے

ہنس کے بھلا کہہ تو، سر تیغ تلے دھر دے ٭ پیارے یہ ہمیں سے ہو، ہر کارے و ہر مردے (سودا)

(۴)۔ نے غم دزد نہ اندیشۂ کالا

خوش رہتے ہیں جیا را برو کی تبلا کے صفائی ٭ نے ہمکو غمِ دزد نہ اندیشۂ کالا (اِنشا)

(۵) چشم ما روشن

چشم ما روشن کہ اس بیدرد کا دل شاد ہے ٭ دیدۂ پرخوں ہمارا ساغرِ سرشار دوست (غالب)

(۶) یک در گیر و محکم گیر

ہم تو میخانے سے نہیں ہلنے ٭ سچ ہے یک در بگیر و محکم گیر (میر مہدی مجروح)

(۷) یک انار و صد بیمار

ایک دل اور خواستگار ہزار ٭ کیا کروں یک انار و صد بیمار (میر مہدی مجروح)

(۱)۔ اس تلمیحی محاورے کا قصہ "افاداتِ سلیم" میں ہے۔ شائقین ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

فارسی محاوروں کا ترجمہ

آب کردن ـ اے ولی دل کوں آب کرتی ہے ٭ نگہِ چشم سرمگیں کی ادا (ولی)

ہوش گم کردن ـ آج تیری بھواں نے مسجد میں ٭ ہوش کھویا ہے ہر نمازی کا (〃)

سر کردن ـ سر کروں جب وصف تیرے جامۂ گلرنگ کے ٭ جامۂ زیباں کو برنگ صورتِ دیبا کروں (〃)

ـ میرے حضور شمع نے گریہ جو سر کیا ٭ رویا میں اس قدر کہ مجھے آب لے لیا (میر)

یک سرِ مُو خلاف نیست ـ

اُس زُلف کا یہ دل ہے گرفتارِ بال بال ؛ یکرنگ کے سُخن میں خلاف ایک مُو نہیں (یکرنگ)

گُو کردن ـ گُل کو محبوب پہ قیاس کیا ؛ فرق نکلا بہت جو باس کیا (میر)

خاک بسر کردن ـ تُو ہی کچھ اپنے سر پہ بیاباں خاک کر گئی ؛ شبنم بھی اس چمن سے صبا چشم تر گئی (درد)

بقدر یک مژہ ماندن ـ

یہ چشمِ شوق طرفہ جگہ ہے دکھاؤ کی ؛ ٹھہرو بقدر یک مژہ تم اس مکان میں (میر)

طرف شدن ـ کیا کہیے حسن عشق سے آپ ہی طرف ہوا ؛ دل نام قطرہ خون کا ناحق تلف ہوا (میر)

دل بستن ـ دل کو کیا باندھے ہے گلزارِ جہاں سے بلبل ؛ حسن اس باغ کا اک روز خزاں ہوویگا (قائم)

کمر بستن ـ ہم تو ہیں تجھ زلف سے ہی سر بسر باندھے ہوئے ؛ صید بستہ کیوں پھرے ہے پر کمر باندھے ہوئے (میر حسن)

پیمانہ پُر کردن ـ ساقی چمن میں چھوڑ کر مجھ کو کدھر چلا ؛ پیمانہ میری عمر کا ظالم تو بھر چلا (سودا)

دامن افشاندہ برخاستن ـ

کیا اس چمن میں آن کے لیجائے گا کوئی ؛ دامن تو میرے سامنے گُل جھاڑ کر چلا (〃)

از جامہ بیرون شدن ـ

نکلا پڑے ہے جامے سے کچھ ان دنوں رقیب ؛ تھوڑے ہی دم دلاسے میں اتنا اُبھر چلا (〃)

دل از دست رفتن ـ ہاتھ سے جاتا رہا دل دیکھ محبوباں کی چال (سودا)

از جان گزشتن ـ دی جائے وہاں جو جان سے جائے گزر پہلے (ظفر)

عرق عرق شدن ـ کہ میری تر دامنی کے آگے عرق عرق پاک دامنی ہے (ذوق)

حرف آمدن ـ لب وہ کہ لعل کے بھی نگینے پہ حرف ہے (انشا)

خس بدندان گرفتن ـ

نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالوں کو ؛ لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستاں کا (غالب)

(دیوان غالب نسخہ حمیدیہ)

حلقہ زدن ـ حلقہ زن ہے تجھ دہن کی یاد میں ؛ خاتمِ دستِ سلیمانی ہنوز (ولی)

جبہہ سائی کردن ـ اے ولی غیر آستانۂ یار ؛ جبہہ سائی نہ کر، خدا سوں ڈر (ولی)

از آبِ چشم وضو کردن ـ روشن دلانِ جسم گدازاں پئے نماز ؛ جوں شمع آبِ چشم سے اپنے وضو کریں (بیدار)

بحال آمدن ؎

اس کا خرام دیکھ کے جایا نہ جائے گا ٭ اے کبک پھر بحال بھی آیا نہ جائے گا (میر)

نہ کمر دارند نہ دہن دارند ؎

بھا گئی کونسی وہ چیز بتوں کی ہم کو ٭ نہ کمر رکھتے ہیں ظالم نہ دہن رکھتے ہیں (ناسخ)

زنجیر کردن ؎

سودا زدہ یہ دل ہے تو تدبیر کریں گے ٭ اس زلف گرہ گیر سے زنجیر کریں گے (انشا)

خیال بستن ؎

باندھتے ہیں اپنے دل میں زلفِ جاناں کا خیال ٭ اسطرح زنجیر پہناتے ہیں دیوانے کو ہم (ناسخ)

صفی اورنگ آبادی مکتب داغ سے تعلق رکھتے ہیں اور داغ کی محاورہ بندی کا لوہا سارے ہندوستان میں مانا جاتا ہے۔ چنانچہ صفی نہ صرف خود محاورہ بندی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے بلکہ اپنے شاگردوں کو بھی یہی ہدایت دیتے تھے کہ جب کسی شعر میں محاورہ بآسانی صرف ہو سکتا ہو تو ضرور باندھنا چاہیئے۔ (ملاحظہ ہو اصلاحات صفی ذکر نظر علی عدیل)
صفی کے کلام میں لطف زبان کے علاوہ محاوروں کے برجستہ استعمال کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے بیشتر اشعار زبان زد خاص و عام ہو جاتے تھے اور یہ حقیقت آئندہ صفحات میں اظہر من الشمس ہے۔ پڑھتے جائیے اور سر دھنتے جائیے۔

صفی ہر آدمی قسمت کا اچھا ہو نہیں سکتا
مقدر بھی جو ملتا ہے تو ملتا ہے مقدر سے

کتابیات

۱. مقدمہ شعر و شاعری ۔ حالؔی

۲. شعر الہند ۔ مولانا عبد السلام ندوی

۳. آبِ حیات ۔ محمد حسین آزاد

۴. ہماری شاعری ۔ مسعود حسین رضوی ادیب

۵. افاداتِ سلیم ۔ وحید الدین سلیم

۶. دیوانِ غالب ۔ نسخۂ حمیدیہ

۷. دورِ شاعری ۔ مہذب لکھنوی

۸. زبانِ داغ مرتبہ: رفیق مارہروی

۹. مکاتیبِ جلیل مرتبہ: علی احمد جلیلی

۱۰. فرہنگ آصفیہ

۱۱. مصباح اللغات

۱۲. مصباح القواعد ۔ فتح محمد خاں جالندھری

۱۳. نگار کے کچھ پرانے رسالے

۱۴. کتاب نما کے کچھ پرانے رسالے

۱۵. اصلاحاتِ صفیؔ ۔ مرتبہ: محبوب علیخاں اخگر

۱۶. ریختۂ ولی ۔ نور الحسن ہاشمی

پروفیسر یعقوب عمر

محاوراتِ صفی

خواجہ معین الدین عزمی
(کنساس اسٹیٹ ممالک متحدہ امریکہ)

سخنِ مختصر

کسے خبر تھی کہ جبرل سخن ولی دکنی، سراج، داؤد، تمنا جیسے شعراء کی خجستہ بنیا سرزمین اورنگ آباد سے ایک صدی بعد حکیم محمد منیر الدین صدیقی کے گھر (۲۵ رجب ۱۳۱۰ھ) پیدا ہونے والا سپوت بہبود علی صفی کے نام سے اُفق شاعری پر آفتاب سخن بن کر چمکے گا اورنگ آباد کی مٹی سے یہ آفتاب اُبھرا تھا مگر اس کی مٹی حیدر آباد دکن کی تھی۔ جہاں یہ نیرِ اعظم (۱۵ رجب ۱۳۷۳ھ م ۲۱ مارچ ۱۹۵۴ء کو غروب ہوا) اور اردو شاعری خاص طور پر صنف غزل کو مرتے مرتے آبِ حیات پلا گیا۔

شعر و سخن کے قدردانوں، حضرت صفی کے پرستاروں اور خصوصاً اہل دکن کے لیے جس طرح انیسویں صدی کا آخری دہا مکتب داغ دہلوی کی اس آخری شمع کی پیدائش کیلئے اہمیت کا حامل ہے اسی طرح بیسویں صدی کا یہ آخری دہا بھی صفی شناسی کی راہ میں بہت بابرکت ہے کیوں کہ ان کے فیضانِ سخن کے ہمہ رنگی پہلوؤں کو سمجھنے کے لیے بزم تلامذہ صفی کے نیر اور آخری معتمد الحاج محبوب علی خاں اخگر قادری صاحب نے جہاں کسی شخص یا کسی ادارہ کے مالی تعاون کے بغیر اپنے ذاتی سرمایے سے تذکرہ تلامذہ صفی (مطبوعہ اپریل ۱۹۹۱ء) اصلاحا صفی (مطبوعہ جنوری ۱۹۹۳ء) خمریات صفی (۱۹۹۵ء) اور انشائے صفی (مطبوعہ ۱۹۹۶ء) شائع کیا ہے وہیں ان کی بے لوث شبانہ روز ان تھک محنت اور کوشش سے محاورات صفی کی ترتیب، تسوید، تبییض، کتابت و طباعت کے حوصلہ مندانہ مراحل طے ہو رہے ہیں۔

انیسویں صدی کے درمیانی عہد میں جب مرزا نوشہ اسد اللہ خاں غالب نے یہ دعوتِ فکر بیدار کی کہ شاعری قافیہ پیمائی نہیں، معنی آفرینی ہے مجذوب کی بڑ نہیں، مطالب و مقاصد سے ہم آہنگی ہے طفلِ مکتب کی بازی گری نہیں، دیدۂ بینا کی کسوٹی ہے، امیر حمزہ کی داستان نہیں، فطرت کی دجلہ کی نمائش ہے قد و گیسو کی آرائش نہیں، دار و رسن کی آزمائش

ہے، بادہ و ساغر کا تذکرہ نہیں، مشاہدۂ حق کی گفت وگو ہے تو اردو شاعری عموماً اور اردو غزل خصوصاً ایک نئے جہانِ معنی سے آشنا ہوئی۔ اس جہانِ معنی کی تفسیر و توسیع کے لیے غالب کے بعد مولانا حالی سامنے آئے۔ حالی کے بعد اقبال اور پھر یہ سلکِ الماس و گہر کا جنت نگاہ سلسلہ ایسا چل نکلا کہ اردو غزل گل و بلبل، چشم و لب، حسن و عشق اور مسائلِ تصوف سے آگے بڑھ کر حیات و کائنات کے سارے مسائل اور تمام سنجیدہ افکار کی ترجمان بھی گئی۔

غزل گوئی اردو شاعری کی روایت ہے۔ ہر فن کار اپنے فن کی روایتوں میں حسنِ غزل کو نکھارتا اور سنوارتا ہے اور جب اس حسن کاری اور ادبی کیمیاگری کے تجربے کامیاب ہوتے ہیں تو روایتوں کی تازگی اور شادابی برقرار رہتی ہے۔ حضرت صفی کی شاعری میں فکر و احساس اور شعور و آگہی کا توازن پاتا ہے اور اپنے منفرد انداز میں روایتوں کی تابندگی بھی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ مطالعہ کرنے پر معلوم ہوگا کہ ان کے فردوسِ تخیل اور ان کی پُرگوئی، قادرالکلامی اور بدیہہ گوئی نے شاعرانہ عبقریت کا کمال دکھایا ہے باوجود یہ کہ ان کی شعری کائنات مرحلہ وار گم بھی ہوئی، چوری بھی گئی، ڈبو دی بھی گئی، جل بھی گئی اور حاجت روائی کی غرض سے ارزاں فروخت بھی ہوئی اور اس کے علاوہ سینکڑوں شعر زکوٰۃِ سخن میں بٹ بھی گئے! اب دامن تہی ہیں جو بھی دستیاب ہے وہی متاعِ ہنر ہے ؎

چند اوراق ہیں جو کچھ بھی غنیمت ہے صفی
اب میں کھوئے ہوئے دیوان کہاں سے لاؤں

آپ محظوظ ہوں گے کہ یہی اوراق دامانِ باغباں ہیں اور کفِ گل فروش! اس لاابالی قلندر صفت شاعر کے سرمایۂ شعری کے ناقابلِ تلافی نقصانات کے بعد دل پر حسرت جاگ اُٹھتا ہے تو "پراگندہ" اوراق کی اہمیت اور قدر بھی کم و بیش لیتی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

دیوان کو صفی کے نہ پامال کیجیے ÷ کچھ تو لحاظ کیجیے آخر کتاب ہے

کلامِ صفی کے پروانے اور روایتی شاعری کے متوالے بخوبی واقف ہیں کہ تاریخ و ادب کے خانِ خاناں جناب نورالدین خاں صاحب "سوانح عمری صفی اورنگ آبادی" ۱۹۸۹ء میں زیورِ طبع سے آراستہ کرنے کے بعد جنوری ۱۹۹۳ء میں (غیر مطبوعہ)

"کلامِ صفی" کیا مرتب کیا کہ دار فتگانِ زبان و ادب، تشنگانِ شعر و سخن کے لیے آبِ رواں جاری کر دیا جس کی شفاف اور شیریں لہروں میں صفی کی شخصیت اور شاعری کے ان جانے اور نا شنیدہ پہلو قوسِ قزح کی رنگینیوں کی طرح سامنے آتے ہیں۔ اگر میری بات کو مبالغہ آرائی تصور کیا جائے تو عرض کروں گا کہ اس کا فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا۔ ان تالیفات کی روشنی میں حضرت صفی کی سوانح عمری توسیعی معلومات کے ساتھ مکرر اشاعت کی طالب معلوم ہوتی ہے اگر یہ ادبی فریضہ جناب لور الدین خاں صاحب کے محققانہ قلم سے ادا ہو جائے تو نورٌ علیٰ نور۔

ان کتابوں سے متعلق چند سطریں سپردِ قلم کرتا ہوں۔ "تلامذہ صفی اورنگ آبادی" اختر حسن صاحب کی دیرینہ کد و کاوش، جستجو اور دید و دریافت کا انمول نگار خانہ ہے۔ اسی کتاب سے ان کے تحقیقی اور تخلیقی سفر کا آغاز ہوا جس کی پذیرائی اہلِ ذوق نے والہانہ انداز میں کی۔ اب کیا تھا "کہ با جستم و عقیق یافتم" کام کرنے کی لگن نے ان کے دل پر اپنا گہرا سکہ جما لیا۔ اپنے قلم کو جو جنبش دی تو ان کے قدم اور قلم میں حرکت و عمل کی برق رفتار رو دوڑتی نظر آنے لگی۔ "اصلاحاتِ صفی" جب سامنے آئی تو پتہ چلا کہ شہرِ سخن میں ایک تازہ اور خوش گوار ہوا کا جھونکا آیا اور اس طرح صفی شناسی کے راستے میں جگہ جگہ کہکشاں جگمگانے لگی۔ اس کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ یہ موتی صفی کے ابرِ نیساں برسانے والے قلم دُر رقم ہی سے بکھیرے گئے ہیں۔ استاد شاگردوں کو چمکانے لگے۔ بیشتر اصلاحیں ایسی ہیں جن سے لفظی حسن و معنی بلندی پر پہنچ گئے اور شعر کی معنوی خوبی اپنی عظمت کی دلیل۔ گویا تلامیذ الرحمٰن کے آئینوں کا جوہر!

راہِ شوق کی ولولہ انگیزی اور ادبی ذوق کی فطری کوہ کنی نے ادب و شاعری کے اس سیاح کو بے فکر بیٹھنے نہ دیا اور "آبِ حیات کے آخری شاعر" اور "سرزمینِ دکن کو رشکِ شیراز بنانے والے" کی بادہ نوشی یاد آئی تو سارے کلام میں سے دماغی عرق ریزی کے بعد جستہ جستہ ایسے شعر اکٹھا کیے جن میں جام و مینا، مے و مستی کے رندانہ مضامین ہیں۔ پھر "صبوحی" کے عنوان سے ان کا تعارف کراتے ہوئے "خمریاتِ صفی" کے نام سے اس مجموعہ حسن و خوبی کو خاص اہتمام سے شائع کیا اور خاکسار کو بھی اس کے

ایک نسخہ سے نوازا۔ اس کے اشعار حساس دل کے خمار آمیز جام ہیں۔ منجملہ (۱۱۳) شعروں کے سولہ اشعار کو ولی محمد صدیقی کے خوبصورت اور دلکش خاکوں سے اس طرح آراستہ کیا کہ دیوانِ غالب کے مرقعِ چغتائی اور رباعیاتِ عمر خیام کی مصوّر اشاعتیں یاد آگئیں۔ کاش یہ خاکے رنگین ہوتے تو دیدہ زیبی میں اضافہ ہوتا! باوصف اس کے مرتب نے پروفیسر یعقوب عمر اور ڈاکٹر محمد علی اثر کے موضوعاتی بیش بہا معلومات آفریں مضامین اور جناب محمد نور الدین خاں صاحب کی رائے شامل کر کے کتاب کی وقعت اور اہمیت کو ایک قیمتی تحفہ بنا دیا۔

ہماری زندگی میں شخصی حالات، عادات و اطوار، آپس کے باہمی تعلقات پسند نا پسند اخلاص و محبت، نفرت و حقارت، عقاید و افکار، نظریات و تصورات کا علم دیگر ذریعوں اور ماخذوں کے علاوہ مکاتیب اور ذاتی خطوط سے بھی ہوتا ہے۔ خطوط کے ذریعہ اسلوب نگارش، زبان کی سلاست اور بیان کی شگفتگی آشکار ہوتی ہے۔

موجودہ دور میں سائنسی ایجادات جیسے ٹیلی فون، ٹیپ ریکارڈر، ٹیلی پرنٹر، فیاکس، انٹرنٹ وغیرہ کے توسط سے گفت و شنید، اہم اور ضروری اطلاعات، مختصر و مفید قسم کے مراسلت نے ادبی اہمیت کے خطوط کی اشاعت کو بے حد کم کر دیا ہے لیکن علم و ادب یا تاریخی اور سوانحی افادیت کے نکتہ نظر سے ایسے رشحاتِ خامہ کا کتابی شکل میں مزیّن و محفوظ ہو جانا بہت غنیمت ہے۔

حضرت صفیؔ کے خطوط کا ذکر سوانح میں قدرے تفصیل کے ساتھ اور "شمع فروزاں" (مطبوعہ ۱۹۹۲ء) میں مختصراً صفحات ۱۶۲ و ۱۶۳ پر ملے گا۔ ان کی دستیابی کے سلسلے میں خاکسار کا مزید کچھ لکھنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ البتہ ایک بات کی جانب توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں جس کے بارے میں مبصرین سے فروگذاشت ہوئی ہے وہ یہ کہ خطوط کے اعتبار سے ان نثری دستاویزوں اور چند تحریروں کے علاوہ کلامِ صفیؔ (غیر مطبوعہ) کے صفحے ۵۱ تا ۵۳ پر اپنے کسی دوست فیض الدین صاحب کے نام (۲۴) اشعار پر مشتمل ایک منظوم خط بھی ملتا ہے: "کہ تخلص صفیؔ تو خوب نہیں" سے متعلق ہے۔ اس کے انداز بیان میں طبیعت کی شائستگی کے ساتھ ساتھ مخلصانہ دلربائی بھی ہے۔

خطوط منثور ہوں کہ منظوم اس کاغذی پیرہن میں تدریس، تفکر اور تاثیر کی معنی آفرینی کے علاوہ مشاغل اور دلچسپیوں کی بھولی بسری سہانی یادیں بھی تازہ ہوجاتی ہیں۔

میں جناب نورالدین خاں صاحب کی ادبی فراخ دلی کی قدر کرتا ہوں کہ انھوں نے ان مکاتیب کی عکسی نقلیں بغرض اشاعت اخگر صاحب کے حوالے کردیں بعض محقق عام طور پر صوفی صفت ہوتے ہیں۔ وہ نام سے زیادہ کام پر یقین رکھتے ہیں۔ دونوں کا مقصد گنج مخفی کی جلوہ نمائی ہے۔ کسی کو نام آوری کا شوق ہے اور نہ شہرت کی طلب بلکہ دکن کے فراموش کردہ دُر مکتوم ناقدر شناس شاعر کے کاموں کی مختلف پہلوؤں سے روشناسی کرانا مطلوب ہے۔ "اظہارِ حقیقت" کے ساتھ اخگر صاحب نے قرطاس و قلم کے دستیاب مختصر سرمائے کو "اِنشائے صفی" کے عنوان سے گل فشاں کیا۔ کورا کاغذ اس وقت تک کورا رہتا ہے جب تک کہ کسی فن کار کے موئے قلم کی جنبش اسے نقشِ دوام عطا نہیں کرتی چاہے وہ کسی شاعر، مفکر، ادیب یا مصور کا ہو۔ حضرت صفی کی شاعری نے جہاں ایک طرف عروس سخن کو جمال نو بخشا وہیں دوسری طرف ان کی نثری نگارشات نے ادب کی مانگ میں افشاں چنی۔ اگر یہ مکاتیب تجسس و تفحص کے بعد خوش اسلوبی کے ساتھ اشاعت پذیر نہ ہوتے تو گردشِ لیل و نہار کے ہاتھوں ان "چاندی کے اوراق" (بقول مرتب) کا خدا جانے کیا حشر ہوتا! فاضل مضمون نگاروں کے مضامین نے میرا کام آسان کردیا۔ کتاب سے خلوص و وفا اور عقیدت کی خوشبو آرہی ہے۔ دیدہ زیب سرورق سے اندازہ ہوتا ہے کہ طباعت پر کس محبت سے محنت کی گئی ہوگی۔

جنونِ ادب کے صحرا میں راستہ تلاش کرنا آسان نہیں کسی بھی تخلیق کار کو ہر دم جواں ہر دم رواں کی جو بے قراری ودیعت ہوتی ہے وہ جذباتی اور جمالیاتی تہذیب کے پھولوں اور علم و ادب کے گلشن کو ہر وقت تر و تازہ اور شاداب دیکھنا چاہتی ہے۔ یہ جذبۂ فراواں اپنی روانی کھوتے نہیں پاتا۔ اس کی کیفیت "زشرر ستارہ جویم از ستارہ آفتاب" کے مصداق بن جاتی ہے۔ ہزاروں میل دور رہ کر یہ غریب الوطن فی الحال اس قدر واقف ہے کہ وطن عزیز میں محاوروں پر کام ہورہا ہے۔ اس ضمن میں

بطور تمہید اپنے منتشر خیالات پیشِ خدمت ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ کسی بھی زبان کے ادب و شاعری کا مطالعہ تاریخی و تمدنی تہذیبی و معاشرتی حالات و واقعات کے علم کے بغیر ادھورا رہتا ہے۔ اردو شاعری کے آغاز وارتقا، فروغ و نشوونما، ترویج و اشاعت کا عہد سیاسی اور معاشی اعتبار سے بڑے مصائب اور آزمائش کا دور ہے۔ سیاسی افراتفری اور پُرآشوب زمانے کی داستان ادب و شاعری کے متعلقہ الواب ہیں۔

مغلوں کی فتوحات نے شمالی ہند کی تہذیب و معاشرت کو نربدا کے تمام جنوبی علاقے اور گجرات میں پھیلا دیا چنانچہ ان علاقوں کے بڑے بڑے شہروں کی "تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ یہ شمالی ہند کی بستیاں ہیں اور دہلی کے تمدن و معاشرت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی قدیم ہیئت تبدیل ہو گئی۔ برہان پور اورنگ آباد، احمد آباد اور سورت وغیرہ میں اس کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں..... اس زمانے کی شمال و جنوب کی تصانیف کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قواعدِ زبان، محاورات اور روزمرہ لب و لہجے کا جہاں تک تعلق ہے دونوں مقاموں کی زبانوں میں کوئی فرق نہیں"؛ (یادگارِ ولی)

دکن میں ولی سے پیشتر دکنی زبان میں شعرگوئی موجود تھی لیکن وہ محض دکنی زبان میں تھی۔ اب سے قریباً کم و بیش تین صدیوں پہلے (۱۱۱۲ھ م ۱۷۰۰ء) ولی کا اثر صرف شمالی ہند اور بالخصوص دہلی ہی کی شاعری پر نہیں ہوا بلکہ دکن کی شاعری پر بھی ہوا۔

اورنگ زیب نے اپنی شہزادگی کے زمانے سے اورنگ آباد کو اپنا مستقر (۱۰۶۸ھ) بنایا اور لگ بھگ چھے دہوں "تک (۱۱۱۸ھ م ۱۷۰۷ء) دکن کے مختلف شہروں کی فتوحات کے سلسلے میں وہیں رہا تو اس کے ساتھ دہلی اور شمالی ہند کی کثیر آبادی اورنگ آباد اور اس کے قرب و جوار میں بس گئی تھی۔ لاکھوں کی تعداد میں اس کثیر آبادی کے اثر سے شمالی ہند کی زبان اورنگ آباد اور دکن میں رائج ہوئی جس نے دکنی تمدن و معاشرت کے ساتھ وہاں کی زبان کو بھی قطعی طور پر مٹا دیا۔

عالمگیرؒ کے بعد ڈیڑھ سو سال کے تاریخی واقعات خانہ جنگیوں، انتشار اور

زوال آمادہ معاشرت کا بھیانک منظر پیش کرتے ہیں جس نے قدرتی طور پر ہر شعبہ کو متاثر کیا۔" (دلّی کا دبستان شاعری)

مولانا حالی کے مطابق "اردو میں ولی سے لے کر انشاء اور مصحفی تک عموماً سب کی غزلوں میں صفائی، سادگی، روزمرے کی پابندی، بیان میں گھلاوٹ اور زبان میں لچک پائی جاتی ہے۔ ان کے بعد دلّی میں ممنون، غالب، مومن اور شیفتہ وغیرہ کے کلام میں فارسی ترکیبوں نے اردو غزل میں بلاشک زیادہ دخل پایا مگر یہ لوگ بھی اعلیٰ درجہ کا شعر اسی کو سمجھتے تھے جس میں پاکیزہ اور بلند خیال ٹھیٹ اردو کے محاورے میں ادا ہو جاتا تھا۔"

ماہر لسانیات پروفیسر مسعود حسین خاں کے مطابق "عہد عالمگیری میں اورنگ آبادی شعراء کی جو کھیپ اورنگ آباد سے اٹھی اس نے محاورہ گولکنڈہ و بیجاپور کا لسانی تتبع کمتر کیا ہے۔" دوسرے ماہر لسانیات ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اولین پرنسپل جامعہ عثمانیہ کے قول کے مطابق "ولی، سراج، داؤد وغیرہ نے "اورنگ آبادی اردو" میں شاعری کی۔ ان شعراء کی زبان کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ "اورنگ آبادی اردو" تیزی کے ساتھ محاورہ دہلی سے قریب تر اور محاورہ گولکنڈہ و بیجاپور سے دُور ہوتی جا رہی تھی۔"

ادب کے تاریخ نگاروں نے شاعری کے مختلف ادوار کی تاریخی ترتیب دی ہے۔ جو ظاہر ہے کہ کوئی متعین حد قائم نہیں کرتی بلکہ تخمینی دور کی نشان دہی کرتی ہے۔ جیسے مثلاً شعرائے متقدمین، متوسطین اور متاخرین پھر ان کے ضمنی یا ذیلی ادوار بھی۔ شعرائے کرام اور عہد بہ عہد واقعات کی تفصیل میں گئے بغیر صرف اتنا ذکر کافی معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین کے دور میں داغ کا طوطی بولتا ہے۔ اسی میں ظہیر، انور، سالک حالی، مجروح، شیفتہ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ جب داغ نے دہلی سے رام پور اور پھر رام پور سے دکن کا رُخ کیا تو اس کے بعد دہلی کی مرکزیت ختم ہو گئی۔ دکن پہنچنے

کی ضیا پاشیوں کے لیے عہدِ ماضی کے علاوہ یہ دہا خاص طور پر سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مجھے یہ بتانے کی چنداں حاجت نہیں معلوم ہوتی کہ حضرت داغ ملک الشعراء خاقانیِ ہند شیخ ابراہیم ذوق کے شاگردِ رشید تھے اور ذوق کے یہاں زبان کا چٹخارہ محاورے اور روزمرے کی صفائی خوب ہے۔ صفی نے ذوق کے اسی لب و لہجے اور محاورہ بندی کو اپناتے ہوئے اس میں دکنی بول چال اور دکنی محاوروں کا فطری اور سریع الفہم استعمال کیا ہے جو ان کے اسلوبِ فکر، اظہار کی جدت، ندرتِ بیان اور مذاقِ شاعرانہ کی دلیل ہیں۔ ان اشعار میں روزمرے اور محاورے کہیں بھی بے لطف نہیں معلوم ہوتے بلکہ ان کی بے ساختگی اور برجستگی رواں چست اور مربوط ہے۔ بہ الفاظِ دیگر کلام میں محاوروں کا برمحل استعمال نادرہ کاری کا دلچسپ ثبوت ہیں۔ تین سو سے زیادہ شعروں میں یہاں چند ایک کی مثال دی جا رہی ہے۔ ان کے مطالعے سے اندازہ ہوگا کہ بعض شعروں میں زندگی کے واقعات، تجربات، حادثات کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ دو ایک میں محاورے کے محاورے اور ایسے کہ تلمیح بھی آگئی۔ گوہرِ سخن کے رتبہ شناس بہ اعتبارِ ذوق اور بہ قدرِ ظرف ان محاوروں کی لطافت اور کلام کی حلاوت سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔ غرض سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے۔

وقت کی کمی کے باعث میرے لیے ساگر کو گاگر میں بھرنا آسان نہیں۔ اپنے تاثرات کو اجمالاً بیان کیا لیکن مجھے تشنگی کا احساس ہے۔

"محاوراتِ صفی" ہو کہ دیگر کتابیں سب کی سب اخگر صاحب کی فرض شناسانہ لگاتار سعی، محنت و ریاضت کے ثمر ہیں اور ہر اعتبار سے حرفِ ستائش سے عظیم تر۔

گویا ان کا یہ پیام ہے ؎

اے اہلِ ذوق آؤ یہ جاگیر سنبھالو ٭ میں مملکتِ لوح و قلم بانٹ رہا ہوں

جیسا کہ پچھلی دفعہ کسی موقع پر توجہ دلایا تھا مکرر اخگر صاحب سے گزارش ہے کہ حضرت صفی [illegible]

ہو گی اور ظاہر ہے کہ یہ کام آنے والے مبصروں محققوں اور تنقید نگاروں کے لیے صفی شناسی میں معاون ثابت ہو گا۔ بحیثیت شاعر ان پر جو کچھ لکھا جا چکا، لکھا جا رہا ہے وہ کافی نہیں۔ ان کی سحر طرازانہ عظمت اور شاعرانہ قدر و قیمت کے تعین کے لیے آئندہ بھی لکھا جاتا رہے گا لیکن "صفی بحیثیت انسان" یہ موضوع بھی تلاش اور غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ ضرورت ہے کہ "حال مست تہی دست" انسان کی زندگی کے ان پہلوؤں سے بھی روشناس کرایا جائے۔ وہ شاعر ہونے کے علاوہ ایک اچھے انسان بھی تھے۔ شرافت، وضع داری، غیرت و حمیت، خودداری، آدابِ مجلس، بے نیازی، ضبط و تحمل، رکھ رکھاؤ، تادیب و تدریس کا انداز، کیا یہ سب اوصاف فراموش کرنے کے قابل ہیں؟ ابھی ان کے تلامذہ حیات ہیں۔ دیدہ و شنیدہ ان کہے واقعات پر روشنی ڈال سکتے ہیں اور اس طرح اقدار انسانی کی قدردانی کے ساتھ ان کے تحفظ کی راہ بھی ہموار ہو سکے گی۔

لکھتے لکھتے خیال آ گیا تو یہ چند سطریں بھی لکھ دیں ابھی ابھی یاد آیا علی سردار جعفری کی تنقیدی تحریر کا یہ اقتباس آپ بھی پڑھیے:

> "مجھے انسانی ہاتھ بڑے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں ان کی جنبش میں ترنم ہے اور خاموشی میں شاعری، ان کی انگلیوں سے تخلیق کی گنگا بہتی ہے۔ یہ وہ فرشتے ہیں جو دل و دماغ کے عرشِ بریں سے وحی و الہام لے کر کاغذ کی حقیر سطح پر نازل ہوتے ہیں اور اس پر اپنے دائمی نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔ ان کاغذوں کو دنیا نظم، افسانہ، مقالہ اور کتاب کہہ کر آنکھوں سے لگاتی ہے اور ان سے روحانی تسکین حاصل کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے ہمیشہ قلم کو ہاتھ کا تقدس، ذہن کی عظمت اور قلبِ انسانی کی وسعت سمجھا ہے اور قلم کے بنائے ہوئے ہر نقش کو سجدہ کیا ہے"

محمد نور الدین خاں

★

صفی کا مرتبۂ سخن

جناب صفی اورنگ آبادی نے لڑکپن ہی سے شاعری شروع کر دی تھی ــــ اگلے وقتوں کی روایت کے مطابق سب سے پہلے باقاعدہ جس استاد کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا' وہ تھے جناب مُنیر الدین ضیاء گورگانی دہلوی' جن کا شمار دلّی کے اہلِ زبان میں ہوتا تھا۔ فنِ عروض' زبان و بیان' بول چال' روزمرّہ' محاورہ اور قواعد دانی میں یدِ طُولیٰ رکھتے تھے۔ اس طرح ابتداء ہی سے ضیاء جیسے کاملِ فن کے فیضِ صحبت سے جناب صفی نے بھرپور استفادہ کیا۔ جناب ضیاء کے علاوہ استاد شاگرد کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے' حکیم ظہور احمد دہلوی' عبدالولی فروغ' اور رضی الدین حسن کیفی سے مشورۂ سخن کیا اور کلام پر اصلاح لی۔ ذاتی قابلیت اور فکری صلاحیت بھی تھی جس کی وجہ سے بہت جلد استادی کے درجہ پر فائز ہوئے' کیوں کہ ان کے بقول ؎

ایک دن باضابطہ استاد بنتا ہے صفی
سیکھتا ہے جو کسی فن کو کسی استاد سے

یہ حقیقت ہے کہ باقاعدہ کسی مدرسہ میں پڑھ کر سند حاصل نہیں کی' لیکن حصولِ علم فن کا شوق بہت تھا اس لیے صفی نے اپنے آپ کو مطالعہ کُتب میں مصروف رکھا۔

[illegible]

یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں داغؔ کا تیکھا پن، شوخ بیانی اور زبان وبیان کا چٹخارہ موجود ہے ۔ ایسے اشعار بھی ہیں جن میں میرؔ کا سوز و گداز بھی پایا جاتا ہے مگر سوز و گداز کے یہ موتی اُن کے دریائے شاعری میں تہہ نشین ہیں، تلاش سے ملتے ہیں ۔

جہاں تک غزل گوئی کا تعلق ہے، صفیؔ دکن کے چوٹی کے غزل گو سخنور تھے ۔ معاملاتِ حسن و عشق، وارداتِ قلبی اور مشاہدات، بڑی سادگی و پُرکاری اور حُسنِ کلام کی ساری خوبیوں کے ساتھ غزل کے پیکر کو آب و تاب بخشتا ہے

رنگینیٔ خیال میں ہے خونِ دل صفیؔ
میری خزاں ہے اور غزل کی بہار ہے

اِن کا کلام [غزل و نظم] اصلاحات، تنقیدیں اور تحریریں [خطوط] دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زبان و بیان، روزمرّہ، بول چال، تلمیحات اور محاورات وضرب الامثال سے کماحقہٗ واقف تھے اور ان کے استعمال کی بڑی قدرت ومہارت رکھتے تھے ۔

دلّی کی زبان کے علاوہ دکن کی بول چال اور محاوروں کو بھی بڑی برجستگی سے بلا جھجک استعمال کیا ہے ۔ اپنی زبان دانی پر خود جناب صفیؔ کو اعتماد تھا ۔ کسی احساسِ کمتری میں مُبتلا ہوئے بغیر کہتے ہیں

اہلِ زباں نہیں ہوں زباں داں ہوں اے صفیؔ
رتبہ مرا زیادہ ہے اور اعتبار کم !

طوالت کے خوف سے میں ان کے اشعار کے حوالے دینا مناسب نہیں سمجھتا ۔ کتاب "محاوراتِ صفیؔ اورنگ آبادی" آپ کے ہاتھوں میں ہے دیکھ لیجیے، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے ۔

جناب صفیؔ کی سُخن طرازی کا ایک الگ اسٹائیل اور انداز ہے ۔ ایک مخصوص اسلوبِ بیان اور لب و لہجہ ہے جو بلا شُبہ منفرد ہے ۔ ایسی دِل نشیں نوائے شاعری ہے جس سے ان کا کلام مقبولِ خاص و عام ہوگیا ہے

قدر کرتا ہوں آپ اپنی صفی
واہ مجھ کو بھی کیا زمانہ ملا!

لیکن ساتھ ہی ان کو اپنی اُفتادِ طبع کا خیال آتا ہے ؎

صفی کے کام میں خوبی کہاں سے آئے گی
بُرے مزاج کا تھا اور بُرا زمانہ ملا!

وہ اپنے دیوان کے شائع نہ ہونے کا ذمہ دار کسی اور کو نہیں ٹھہراتے، یہ الزام خود اپنے سر لیتے ہیں ؎

میرے جُنون ہی کا نتیجہ ہے اے صفی
شائع جو آج تک مرا دیوان نہ ہوسکا

اور پھر کسی نا اُمیدی سے کہتے ہیں ۶ " مَیں غریب آدمی دیوان کہاں سے لاؤں؟"۔ بارہ سال وہ نواب معین الدولہ امیر کبیر کے دربار سے وابستہ رہے۔ نواب تراب یار جنگ بہادر سعید ان کے شاگرد تو نہ تھے لیکن وہ جناب صفی کی زندگی تک ان کے بڑے قدر دان تھے۔ جناب صفی کے دوستوں اور شاگردوں کا بڑا وسیع حلقہ تھا، سب ان کے قدر دان اور عقیدت مند تھے۔ اتنا سب کچھ تھا لیکن بڑا تعجب ہے کہ ان کی زندگی میں ان کا ایک دیوان بھی شائع نہیں ہوا۔ لیکن اِدھر ان کی آنکھیں بند ہوئیں (۱۹۵۴ء) اُدھر ان کے دوستوں کی آنکھیں کُھلیں اور قدر دانوں کا شعور بیدار ہوا، انھوں نے ٹھیک ہی کہا تھا ؎

مَرنے پہ ہماری قدر ہوگی
دشمن کو بھی یاد آئیں گے ہم!

جناب صفی کے نام سے کئی انجمنیں معرضِ وجود میں آگئیں۔ صرف ایک مضمون ان کی زندگی میں صاحبزادہ اشرف الدین علی خاں (عثمانیہ) نے لکھا تھا جو شعراء کے تذکرہ "مُرقعِ سخن" میں (جلدِ اول) شائع ہوا تھا۔ لیکن وفات کے بعد بیسیوں مضامین اور مقالے لکھے گئے!۔ یومِ صفی ۱۹۵۶ء میں منایا گیا۔ "سب رس" کا صفی نمبر (۱۹۵۶ء) میں جناب حمید الدین شاہد کی ادارت میں چھپا۔ پھر یکے بعد دیگرے تین مجموعہ ہائے کلام "پراگندہ" "فردوسِ صفی" اور "گلزارِ صفی" زیورِ طبع سے آراستہ ہوئے۔ ناچیز نے "سوانح عمری صفی اورنگ آبادی" ۱۹۸۹ء میں مرتب و شائع کی۔ "دبستانِ صفی" کے نام لیوا جناب حاوی (جانشینِ صفی)

کے شاگرد جناب محبوب علی خاں اخگرؔ نے وظیفۂ حسنِ خدمت کے بعد جب میدانِ ادب میں قدم رکھا تو سب سے بازی لے گئے۔ صفی پر بڑی علمی و ادبی یادگار کتابیں مرتب و شائع کیں جو حسنِ ظاہری و باطنی میں آپ اپنا جواب ہیں۔ حسبِ ذیل کتابیں ان کے رشحاتِ قلم کی مرہونِ منت ہیں :

۱ : تلامذۂ صفی اورنگ آبادی (۱۹۹۱ء)

۲ : اصلاحاتِ صفی اورنگ آبادی (۱۹۹۳ء)

۳ : خمریاتِ صفی اورنگ آبادی (۱۹۹۵ء)

۴ : انشائے صفی اورنگ آبادی (۱۹۹۶ء)

۵ : محاوراتِ صفی اورنگ آبادی (۱۹۹۸ء)

اخگرؔ صاحب نے ستائش کی تمنا اور صلہ کی پروا کیے بغیر اتنی اہم ادبی خدمت کی ہے، ہم جتنی بھی ستائش کریں کم ہے۔ کاش! جناب صفی زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ جتنی کتابیں اُن پہ لکھی گئیں، دکن کے کسی شاعر پر اتنا کام نہیں ہوا اور جس نوع کا یہ کام ہوا ہے، توقع ہے کہ آئندہ کام کرنے کے لیے بہت آسانیاں فراہم ہوں گی۔ شاید جناب صفی کو قدردانی بعد الموت کا اندازہ تھا تب ہی تو انھوں نے پیشین گوئی کی تھی ؎

کسمپرسی ہے خاک ہونے تک
خاک ہوتے ہی کیمیا ہوں میں ! (صفی)

محمد نور الدین خاںؔ
سید علی چبوترہ۔ حیدرآباد

اشعار

محاوراتِ صفیؔ

○

اچھا ہوں، یہ شوق اگر ہے تو اے صفیؔ
کچھ روز اچھے لوگوں کی تو جوتیاں اٹھا

۴ شعر

الٰہی صُورِ اسرافیل کی پَخ کیوں لگائی ہے
قیامت میرے نالوں سے اُٹھے یا ان کی ٹھوکر سے

ابھی تک تو یہی ہے جان جائے آن رہ جائے
نہیں معلوم پھر کیا ہونے والا ہے گھڑی بھر سے

وہ چھپّر پھاڑ کر دیتا ہے سُنتے ہیں، تو کب دے گا
جب آنکھیں لگ گئیں چھت سے تو کیا اُمید چھپّر سے

ہمارا دل ابھی کیا صاف ہے، پہلے بھی ایسا تھا
کیا یہ آپ نے اندازہ گھر کا گھر کے باہر سے

ردیف

ا

گنہ گاروں پہ سایہ دیکھ کر دامانِ رحمت کا
تپش سے اپنی خود مُنہ فق ہے خورشیدِ قیامت کا

ہمیں روکا تو کس انداز سے روکا گُناہوں سے
بتا کے چاشنی کوثر کی، چسکا دے کے جنّت کا

نہ چھوڑو زندگی بھر اے صفی! تم بندگی اُس کی
وہ مالک دس گُنا دیتا ہے بدلہ ہر اطاعت کا

اپنا دلِ بیمار دوا کا نہ دُعا کا
احسان کسی کا نہیں احسان خدا کا

شیطان سے انسان ہی کس بات میں کم ہے
پُتلا وہ غضب کا تو یہ پُتلا ہے بلا کا

دیکھو انھیں رہ رہ کے مری خاک اُڑا کر
رُخ دیکھتے بیٹھے ہیں زمانے کی ہوا کا

نکلا تھا ابھی لفظ رقیب اُن کی زباں سے
چھینک آئی مجھے بول اُٹھے سچ نام خدا کا

پیوندِ زمیں کا نہ بنا دے کہیں مجھ کو
ہر نقش پہ دھوکا ترے نقشِ کفِ پا کا

یارانِ وطن کو جو صفی قدر نہیں ہے
یَں لنگ نہیں، تنگ نہیں مُلک خدا کا

جب نکلتا ہوں تیری محفل سے
مجھ کو رستہ نظر نہیں آتا

کیا لہو روئے اُن کی محفل میں
رنگ جمتا نظر نہیں آتا

سُن سُن کے اُس نے یُوں مرا قصہ بتا دیا
ٹکڑا کہیں مزے کا جو سُوجھا لگا دیا

اُن سے بھی میرے درد کا درماں نہ ہو سکا
بندہ کسی کا بندۂ احساں نہ ہو سکا

مانا کہ مجھ سے دست و گریباں ہُوا جنُوں
مَیں تو کسی سے دست و گریباں نہ ہو سکا

بے وقت آڑے آ گئی رونق پڑوس کی
اُجڑا بھی میرا گھر تو بیاباں نہ ہو سکا

آفت کشانِ عشق کے دِل ٹوٹ جائیں گے
میرا اخیر وقت جو آساں نہ ہو سکا

جھوٹا بھی وعدہ آپ صفی سے نہ کر سکے
اِتنا بھی اِس غریب پہ احساں نہ ہو سکا

گھڑی بھر بھی جو ہم نے آپ کو کچھ مہرباں پایا
تو گویا ساری دُنیا مِل گئی، سارا جہاں پایا

ہم اپنی وضع کیوں بدلیں کسی کے کہنے سُننے پر
صفی مختار ہے ہر آدمی اپنی طبیعت کا

دُنیا مثال دیتی ہے مجنوں کے عشق کی
دیوانہ اپنے کام میں کیا ہوشیار تھا

تیرا خیال کیا، اِدھر آیا اُدھر گیا
جیسے ہَوا کے گھوڑے پہ کوئی سوار تھا

دو گھڑی اوّل نہیں وہ دو گھڑی کے بعد آئے
شامت آئی ہے جو میں پُوچھوں سبب تاخیر کا

عشق کی غارت گری نے گھر کو غارت کر دیا
واہ کیا انجام نکلا حسرتِ تعمیر کا

رقیبوں کی نگاہوں کے تصدّق
اُسے تاکا ہے مَیں نے جس کو تاکا

خاکسارانِ محبّت کو کمی کیا عیش کی
ایک سایہ، دوسرا ٹیکا تری دیوار کا

کوثر و تسنیم کیا دونوں سے ہم جاتے رہے
اور وہ بھی ایک رس پی کر سڑے انگور کا

بہ ہر حالت وہی وحشت برسنے کی برستی ہے
اندھیرا یا اُجالا، ایک ہے گورِ غریباں کا

مثل مشہور ہے کہتے ہیں "لینا اک نہ دینا دو!"
کروں تم سے محبت بن نہیں دشمن دل و جاں کا

جُنوں کے دن ہیں، جنگل میں لگی ہے لام کانٹوں کی
تبرُّک بٹنے والا ہے مرے جیب و گریباں کا

علاجِ دردِ دل کو ہم نے مٹّی تک نہیں چھوڑی
غرض، صاحب غرض مجنوں کو جس نے جو دیا پھانکا

تیرے گدا کو دونوں جہاں سے غرض نہیں
صورت فقیر کی ہے تو دل بادشاہ کا

وہ نہیں ہے تو ہوں میں اپنے میں
وہ جو ہوتا تو میں کہاں ہوتا

قسمت بری ہے ورنہ عدو کیا فریب دے
مردود! اور وہ بھی تری بارگاہ کا!

مخلوق ہاتھ چُومتی ہے اُن کے اے صفی
حیلہ تراش لیتے ہیں جو ہر گُناہ کا

جس کو روا سمجھتے ہو تم اے جناب شیخ
مارا ہُوا ہوں میں اُسی پہلی نگاہ کا

یہ ہے سب جان کر انجان بننا
سکھائے ورنہ اُن کو دوسرا کیا

کھلاتے ہو قسم ضبطِ فغاں پر
ذرا سوچو مرض کیا ہے دوا کیا

مرے نالے نہیں دبتے فلک سے
مگر بوڑھے بڑے کا سامنا کیا

اب تمہاری دوستی کو دونوں ہاتھوں سے سلام
جو ہُوا اچھا ہوا جو کچھ کیا اچھا کیا

اُن کی ہماری بات زمانے پہ کھُل گئی
افسوس ایک رنجشِ باہم نے کیا کیا

جو کچھ گزری کہیں گے سب سے
جب مُنہ میں زباں ہے تو ڈر کیا

صفی کی دیدہ دری آج کھُل گئی اُن پر
بہت دماغ بڑا تھا، خدا نے خار کیا۔

جب مِلے وہ کھنچے تنے ہی مِلے
لُطف مِلنے کا اِک ذرا نہ مِلا

کھو کے دِل کو ہم اس قدر خوش ہیں
جیسے قارُون کا خزانہ مِلا

کوئی جھُوٹ کی حد بھی ہے نامہ بر
ابھی کی ابھی میں گیا، آ گیا

سمجھتا ہوں سب کچھ مگر دوستو
یہ دِل ہے جدھر آ گیا آ گیا

خدا کی قسم کھا کے وہ ہنس پڑے
خدا کی قسم ہے مزہ آ گیا

ابھی ذکر تھا جس کا یادش بخیر
وہی آ گیا، آ گیا، آ گیا

کیا کہوں برتاؤ اس محفل میں کیا برتا گیا
شکر ہے جیسا گیا، ویسا وہاں سے آ گیا

واقعی بارِ امانت کے لیے موزوں بھی ہوں
یا فقط سرکار کی بیگار میں پکڑا گیا

چل دیا وہ رشکِ مہ گھر اپنا سونا ہو گیا
پھر وہی اگلا اندھیرے کا اندھیرا ہو گیا

لے کے دل اِلزام دیتے ہو غنیمت ہے یہی
مال کا مول آگیا، اَدَلے کا بدلا ہوگیا

اُن کو دیکھو وہ نظر آیا کیے ہر رنگ میں
مجھ کو دیکھو دیدہ و دانستہ اندھا ہوگیا

عشق میں اچھا بُرا کب سوجھتا ہے اے صفی
اُس بَلا نے آلیا، جس کو وہ اندھا ہوگیا

ترے گھر میں جو بھولے سے کوئی خانہ خراب آیا
قیامت ہوگئی برپا، فلک ٹوٹا، عذاب آیا

ہمارا بھی شمار اب چاہنے والوں میں ہوتا ہے
بڑی گنتی تمہیں آئی بڑا تم کو حساب آیا

جسے چاہو اُسے چاہو تم اپنے دل کے مالک ہو
ہمارا نام لیکن بیچ میں کیوں بے سبب آیا

یہ دُنیا رنج کا گھر ہے تو دُنیا سے کدھر جانا
خدا مقدور دے تو دوستو کچھ کھا کے مرجانا

صفی لوگوں کی باتوں پر تم اُن سے کیوں بگڑ بیٹھے
سمجھ والوں کو زیبا ہے کسی کی بات پر جانا

دل کہیں بھی نہیں ٹکتا تھا گھڑی بھر اپنا
ایسے وحشی کو کیا آپ نے کیوں گھر اپنا

تجھ سے شکوہ نہ شکایت نہ گِلا ہے ساقی
جام ٹوٹا نہیں، پھوٹا ہے مقدّر اپنا

وہ جو مل جائے تو پھر پُرسشِ اعمال بھی ہو
دل ٹھکانے نہیں اے داورِ محشر اپنا

اپنی دہلیز کے سجدے بھی جو ہیں آپ کو بار
گھر میں رکھ لیجئے اُٹھوا کے یہ پتھر اپنا

اُنھیں معلوم ہو گا حال جو تھا رات بھر میرا
نہ تھے کچھ کالے کوسوں پر یہ گھر اُن کا یہ گھر میرا

خلافِ واقعہ دُنیا کو کچھ باور کرانا ہے
نئے بن کر جو اب وہ پوچھتے پھرتے ہیں گھر میرا

سنبھالا ہوش، چاہا تم کو، رُسوا ہو گیا سب میں
گیا دِل، جان کھوئی، ہے یہ قصّہ مختصر میرا

اگر کچھ بھی نہیں، قسمت میں گردش، پاؤں میں چکّر
تو پھر یہ کیا ہے مارے مارے پھرنا دَر بدر میرا

جگر کے داغ، دِل کے آبلے بڑھتے ہی جاتے ہیں
پھلے پھولے گا اب نخلِ تمنّا کس قدر میرا

وہ چھوٹے، دِل گیا، احباب رُوٹھے، آبرو کھوئی
نہیں معلوم پھر جینا ہے کس اُمید پر میرا

اُسے افسوس تو ہوگا یہ جاں اِک روز جانی ہے
بَلا سے دیکھ لے کوئی کلیجہ، چیر کر میرا

بَھلا، ہر دلِ عزیزی تو کہاں محسُودِ عالم ہوں
صفی اِس دَور میں تو عیب ہے گویا ہُنر میرا

نہیں مِلتے تو کہہ دو اور مِلنا ہے تو مِل جاؤ
کوئی کب تک پھرے کُوچہ بہ کُوچہ دَربدر اِتنا

تڑپ جانے لگا دل اب تو ہر اِک شَے کی خوبی پر
نہ دے دشمن کے دشمن کو خدا ذوقِ نظر اِتنا

لُٹیروں کی بَن آئے مجھ کو شادی مرگ ہو جائے
کہا تھا کس نے اے داتا! مِرے دامن کو بھر اِتنا

کسی پیماں شکن نے رُکتے رُکتے بات تو کر لی
جو وعدہ ہی پہ ہم اَڑتے تو یہ کرتا نہ وہ کرتا

اگر دشمن سے ایسے پیش آتے تو مزہ پاتے
کروں کیا عرض جو برتاؤ مجھ سے آپ نے برتا

وہ خود ملے تو بتا کیا جواب دوں اے دل
یہ عُذرِ لَنگ ہے کوئی بھی رہنما نہ ہُوا

تمہارے واسطے کیا کیا نہیں کِیا مَیں نے
تمہارے واسطے کس کس سے مَیں بُرا نہ ہُوا

کسی عالم میں ہو آس آدمی سے چھوٹ نہیں سکتی
قیامت میں بھی شاید آس کا ہی آسرا ہوگا

دشمنوں کو رو کیے بس طعنے اُن کے سُن چکا
میں بھی پھر ایسی سناؤں گا کہ مُنہ پھر جائے گا

ہجو مے میں شیخ تو آپے سے باہر ہو گیا
دیکھنا بے چارہ منبر سے کہیں گر جائے گا

یہ ترے حالی موالی لم لگا دیں گے تجھے
ایک دن مخلوق کی نظروں سے تُو گر جائے گا

انسان کبھی خاطرِ احباب نہ توڑے
ایسا جو کرے گا تو پشیمان رہے گا

جسے آنکھ ہو گی جو انسان ہو گا!
وہ سو جان سے تجھ پہ قربان ہو گا

جیئے گا ترے کل کے وعدے پہ وہ کیوں
گھڑی دو گھڑی کا جو مہمان ہو گا

نہ ہو گی جسے آدمی سے محبّت
وہ لاکھوں میں اِک آدھ انسان ہو گا

کسی کی حسرتوں کا خون جب ہوتا ہے اے قاتل
تو سُرخی دوڑ جاتی ہے ترے رُخسار پر کیا کیا

صفی اپنا دلِ پُرداغ جیسے باغِ جنّت ہے
عدو کھاتے ہیں خار، اِس گلشن بے خار پر کیا کیا

بیٹھا جو میں تو اُس نے اُٹھائیں قیامتیں
اُٹھا تو میرا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا

اب حسینوں کو یہ خواہش ہے کوئی چاہے ہمیں
یہ ہوا کیسی چلی، کیسا زمانہ آ گیا

اُف رے طوفانِ محبت، لاکھ مارے ہاتھ پاؤں
یہ جدھر مجھ کو بہاتا لے گیا، بہتا گیا

میں نے خوابِ ناز دیکھا، وہ مجھے کیا دیکھتے
یعنی جو سویا سو کھویا اور جاگا، پا گیا

بڑھ بول کیا ہوا جو بہارِ چمن ہوا
غنچہ کے مُنہ میں خاک یہ اُن کا دہن ہوا

ناداں قمیصِ حضرتِ یُوسف تو یہ نہیں
ہونے بھی دے جو چاک مرا پیرہن ہُوا

جب آ گئی بہار تری یاد آ گئی
ہر سالِ نو پہ تازہ یہ زخمِ کُہن ہُوا

آتے ہی موت دیس نکالا ہُوا مرا
پردیس میرے واسطے میرا وطن ہُوا

دُنیائے عاشقی کی ہوا تک نہیں لگی
کورے ہیں دونوں شیخ ہُوا، برہمن ہُوا

دَم پہ بنی تو بھُول گئے اپنی چوکڑی
آئی اجل تو نشۂ ہستی ہرن ہُوا

محفل کا حال کہہ نہ سکا میں حجاب سے
یہ پُوچھنا تو مُفت کرم داشتن ہوا

ہر خود غرض کو دوست سمجھتا رہا صفیؔ
میرے لیے عذاب مرا حُسنِ ظن ہُوا

خدا رکھے مری دیوانگی میری محافظ ہے
جو ہوتی آستیں تو کوئی مارِ آستیں ہوتا

الٰہی مجھ کو دِل دینے میں آخر مصلحت کیا تھی
اگر یہ چار اُنگل گوشت کا ٹکڑا نہیں ہوتا

معشوق کو بدنام ہی کرنا نہیں آتا
لوگوں کو بُرا کام بھی کرنا نہیں آتا

ہم ہیں کہ کبھی آنکھ مِلائی نہیں جاتی
وہ ہے کہ کبھی ہاتھ ملایا نہیں جاتا

ناطاقتیِ عشق سے یہ حال ہُوا ہے
اب آپ کے دَم میں بھی تو آیا نہیں جاتا

دل اور آرزو نہ ہو کیا واہیات ہے
میں ایسی لغو بات کا قائل نہیں رہا

وہ ہاتھ ہے صفیؔ مجھے اِک آستیں کا سانپ
گردن میں دوست کے جو حمائل نہیں رہا

اچھا کیا جو ہم سے کسی کو بُرا کیا
بس دوستوں نے دوستی کا حق ادا کیا

سُفید جھُوٹ ہے یہ کوئی آشنا نہ ملا
ملا ضرور، ہمارے مذاق کا نہ ملا

اُلجھ کے تم نے کچھ اِس طرح ڈال دی گتھی
کسی غریب کو پھر بات کا سِرا نہ ملا

جفا کرو کہ وفا تم پہ حرف آئے گا
مرے فسانے سے کوئی اگر فسانہ ملا

زمانہ علم و ہنر کا ہے سیکھ علم و ہنر
گیا وہ دور کہ ٹھوکر لگی خزانہ ملا

جو ہاں میں ہاں بھی ملائی تو وہ برس ہی پڑے
گھڑک کے کہہ دیا، خاموش بس گلا نہ ملا

گلی گلی کی مقدّر نے خاک چھنوائی
ہمیں تو رنج بھی جی بھر کے ایک جا نہ ملا

روییے اُس کی بدنصیبی پر
ڈھونڈنے پر جسے خدا نہ ملا

ہم نوا سب خزاں کے آتے ہی
ایسے پتّہ ہوئے پتا نہ ملا

دامِ خیالِ زلفِ بتاں سے چھڑا لیا
کیا بال بال مجھ کو خدا نے بچا لیا

غرق ہے شعروشاعری میں صفی
فائدہ تو نہیں ہے کوڑی کا

ملا ہے داغِ محبت تری محبت میں
سلامتی کا یہ چراغاں فقیر کو پہنچا

کی ہم آغوشی کی حسرت غیر نے
آڑے ہاتھوں آپ نے ہم کو لیا

مَیں نے کی تیری شکایت تجھے باور آیا
واہ رے کان کے کچّے مجھے ایسا جانا

دیکھیے آپ کا نہ مُنہ بگڑے
سیدھے مُنہ گفتگو کیا کرنا

ترک کرتے ہو کیوں صفی سے سلام
یہ ہے سُنّت اِسے ادا کرنا

شغلِ بادہ نہ ہو کیوں سب سے نرالا اپنا
دِل بھر آتا ہے جو خالی رہے پیالا اپنا

ہم اپنا اوجھ بھر لیتے ہیں ساقی
بھکاری بھیک میں ڈھونڈیں مزا کیا

کیا یہی ہے شرم تیرے بھولے پن کے میں نثار
مُنہ پہ دونوں ہاتھ رکھ لینے سے پردا ہو گیا

مَیں وفا کرتا ہوں وہ مشہور ہوتے ہیں صفیؔ
کام کرتا ہے سپاہی، نام ہے سرکار کا

معشوق سے زمانہ مرے حق میں کم نہیں
اُس نے دیا جو زخم تو اِس نے نمک بھرا

پُوچھا جو صفیؔ سے حال مَیں نے غم کا
کچھ مجھ سے وہ بدگمان ایسا چمکا
ق

کہنے لگا کچھ کا کچھ، لگائی اینٹ کی سینٹ
ایسا، ویسا، فلانا آمکا ڈھمکا

نار کب تھی طور پہ، پرتو پڑا تھا نور کا
آپ اپنی آگ میں جلنا تھا جلنا طور کا

ہم تو یہ سمجھے تھے سُن کر قصّۂ اصحابِ کہف
ہے مثل، نزدیک کا کُتّا نہ بھائی دُور کا

سرنگوں دل سے کیا بارِ غرورِ عشق نے
سچ ہے سر نیچا ہُوا کرتا ہے ہر مغرور کا

اُن کے آتے ہی صفی نے رکھ دیا سر پاؤں پر
التجا، یارب اسے سجدہ کہو مشکور کا

جنابِ دل یہ لب و لہجہ اور وہ وعدے
خطا معاف خوش آمد ہوئی گلہ نہ ہُوا

کہتے ہیں جس کا کیا آتا ہے اُس کے سامنے
مَیں نے جب نالہ کیا تو سامنے وہ آگیا

صُورتیں تکتے ہیں لیکن مُنہ سے کہہ سکتے نہیں
اُن کی محفل پر ہے دھوکا عالمِ تصویر کا

چاہنے والے جو تھے، بے موت آخر مر گئے
کچھ تمہارا اور کچھ صدقہ تمہاری یاد کا

محبت میں تو ظالم صبر کا آنا ہی مشکل ہے
جسے یہ چیز آئی اُس کو تم جانو کہ سب آیا

سب حال اُن پہ کھُل گیا رونے سے اے صفی
آنسو کا قطرہ قطرہ مرا رازدار تھا

نہ پُوچھیں وہ مگر ہم بندگی کی خُو نہ چھوڑیں گے
کبھی کام آئے گا یہ سِلسلہ صاحب سلامت کا

کِس ستمگر کی نظر کھا گئی بیچارے کو
اچھا خاصا تھا صفیؔ تو کوئی بیمار نہ تھا

ہمارے دانو ہمیں پہ چلائے جاتے ہیں
بھلا وہ اور کسی بات کا اثر لیتا

کرتا ہوں عرض اُن سے جو چلنے کی ہیں کہیں
کہتے ہیں کیا دماغ تمہارا بھی چل گیا

دشمن کے نقشِ پا کو جو دیتے ہیں گالیاں
پیٹو لکیر، سانپ تو آیا نکل گیا

اَرمان کیا گئے کہ گیا دل بھی عشق میں
یہ وہ جُوا ہے جس میں ہمارا مُدل گیا

الٰہی! حضرتِ ناصح کی آئی مجھ کو آ جائے
کرے گا کون میرے واسطے پھر دردِ سر اپنا

دِل ہمارا صاف اب اے بندہ پرور ہو گیا
آپ نے باور کرایا ہم کو باور ہو گیا

دیکھنا ہے آپ کا، اے بندہ پرور دیکھنا
دیکھنا، پھر اِک نظر تیور چڑھا کر دیکھنا

سارے کس بل ہیں جوانی کے یہ ڈھلتی دھوپ ہے
ایک دن نیچا دکھا دے گا یہ اوپر دیکھنا

کچھ بھی سہی، صفی نے ہوس تو نکال لی
اس آئیں بائیں شائیں سے دیوان ہو گیا

اچھا بنوں، یہ شوق اگر ہے تو اے صفی!
کچھ روز اچھے لوگوں کی تو جوتیاں اٹھا

آفتیں ڈھائیں غضب برپا کیا
خیر تم نے جو کیا اچھا کیا

حسن کو دیکھے کوئی کتنوں کی اس نے جان لی
عشق سے پوچھے کوئی کتنے کلیجے کھا گیا

عاشق ہے تو چناں چنیں کیا
مرنا ہے تو اگر مگر کیا!

خدا سے دولتِ دنیا صفی میں کیا مانگوں
غضب ہوا جو مرا کام بے دعا نہ ہوا

ہم اُن کے سامنے مجبور ہو کے رو دیں گے
اگر زبان سے اک حرف بھی ادا نہ ہوا

وہ آئے اور ہو گئی تسکین اے صفی
اتنی سی بات کے لیے دل بے قرار تھا

قائم رہے داتا تری لکھ لٹ سرکار
دے بھی تو بھلا ہو جو نہ دے بھی تو بھلا

وہ خود ملے تو بستا کیا جواب دو دل نہ دے دل
یہ عذر لنگ ہے، کوئی بھی رہنما نہ ہوا

سمجھا صفی کو آپ نے جو کچھ وہ سب غلط
"دنیا کا بدمعاش، زمانے کا چالیا"

شاعری کر کے جی رہا ہے صفی
عیب اپنا نظر نہیں آتا

مجھے بھی دیکھنا ہے کون کون آتا ہے پرسہ کو
مرے مرنے سے کچھ پہلے صفِ ماتم بچھا دینا

دوستوں سے یہ التجا ہے مری
مغفرت کے لیے دعا کرنا

غالب جو یگانہ کی نظر میں نہ جچا | اِس پر ہے شاعروں میں کیوں شور مچا
حیرت کی ہے کیا بات، ارے دیوانو | اِس چودھویں صدی میں بھتیجا ہے چچا

پھر کیوں رہے گا تم سے دشمن ٹیڑھا
کہتے ہو کہ ہے شاعری کا فن ٹیڑھا

پوری وہی گت ہے تمہاری تو صفی
آئے نہیں ناچنا تو آنگن ٹیڑھا

ب

ہر ایک کو نہ دیکھ محبت کی آنکھ سے
بے احتیاط کرتے ہیں اپنی نظر خراب

بندوں پہ رحم چاہیئے بندے خدا سے ڈر
ہوتا ہے ایک آن میں ظالم کا گھر خراب

ساقی ترے اُلش کا مزہ اور رنگ اور
جھوٹی ہر ایک مُنہ کی نہ دے مُنہ نہ کر خراب

بیمارِ عشق کا کہیں اچھا ہُوا بھی ہے
اوقات اپنی کرتے ہیں کیوں چارہ گر خراب

سو سو جواب ہیں تری اِک ایک بات کے
انجام پر نظر ہے جو بنتا ہُوں لاجواب

دشمن بھی تیز ہو تو میں عاشق بنا رہوں
سب کچھ دیا جو تُرش سے دیا ' بات کا جواب

عاشقی میں کوئی استاد نہ کوئی شاگرد
طاق اِس کام میں ہوتا ہے بشر آپ سے آپ

نہ لیاقت ہے نہ صورت ہے نہ کچھ زور نہ زر
اینڈتے پھرتے ہیں پھر کیوں یہ صفیؔ آپ ہی آپ

چُپ کی داد اللہ دیتا ہے دلِ بیمار چُپ
رہ چکے اِک بار چُپ، دو بار چُپ، سو بار چُپ

یہ متانت اِس طرح چُپ سادھ لے کچھ ہوں نہ ہاں
ایک کے بدلے دس سُنائے ہائے وہ طرّار چُپ

اچھا ہے یا بُرا ہے صفیؔ یہ نہ پُوچھیے
چُپ سادھ کر بنا تو ہے اپنا جواب آپ

ت

"ہے محبت کو حوصلہ لازم"
چھین لی آپ نے ہماری بات

نہیں رکھتے ذرا لگی لپٹی
کون جانے صفیؔ تمہاری بات

گئے جو اُن کے وہ دِن سِن تو یہ ہوا بدلی
نظر نہ آئی کسی خیر خواہ کی صورت

صفیؔ ارادہ ہوا ہے جو ڈوب مرنے کا
دکھائی چاہ نے آخر کو چاہ[2] کی صورت

[2] کنواں

سونگھتا پھرتا ہوں باغِ دہر کا اک ایک پھول
اس تمنا میں کہ آجائے کسی سے بوئے دوست

او چراغِ داغِ دل بھی اب تو ٹھنڈا ہو گیا
اور وہ سمجھے ہیں شاید گرم ہے پہلوئے دوست

سرفروشی کے مزے لیتا ہے ہر اک جاں نثار
واہ کیا میٹھی چھری ہے خنجرِ ابروئے دوست

آگے مرے آیا مری تقدیر کا لکھا
جس وقت اٹھایا قلمِ ترکِ محبت

ساقی عطائے خاص یہ ہے مجھ سے دادخواہ
اور آج ہی نہیں مرے منہ کا مزا درست

کسی بات پہ جب چھڑی ٹھیص ٹھیص[1]
رہی ان سے دو دو پہر ایک بات

[1] تکرار، لڑائی جھگڑا

یہ عشق بھی ہے میرے پروردگار آفت
اک سر ہزار سودا، اک دل ہزار آفت

صفیؔ کی طبیعت نے جب زور باندھا
غزل بن گئی داستانِ محبت

صورت پرستیوں میں کٹی سب صفی کی عمر
باتیں تو ایسی جیسے کہ بچے خدا پرست

حالِ دل اس سے ہم کہیں گے صفی
آ گئے پھر یا نصیب یا قسمت

یہ اے حضرتِ عشق کیا طور ہیں
اِدھر ایک بات اور اُدھر ایک بات

شاید اُن کے بنائے بھی نہ بنے
اب کے بگڑے اگر ہماری بات

آپ کی بات سب میں رہ جائے
آپ رکھ لیں اگر ہماری بات

لوگ سب ہاں میں ہاں ملاتے ہیں
کاٹتا کون ہے تمہاری بات

ٹ

دلِ پُر درد پر دُنیا کی ہر چوٹ
اسے صدمے پہ صدمے چوٹ پر چوٹ

وہ کیوں آئیں مری باتوں کی زد میں
کہیں دانستہ کھاتا ہے بشر چوٹ

دُکھا کرتا ہے اکثر دُکھ بھرا دِل
لگا کرتی ہے اکثر چوٹ پر چوٹ

جوانی اور ایسی بھر جوانی
نہ چل دے تم پہ کوئی بد نظر چوٹ

تبسُّم نے کسی کے مار ڈالا
قیامت ڈھا گئی یہ مختصر چوٹ

ث

ناصح ذرا وہاں بھی یہ قانون چھانٹنا
ہے منکر و نکیر سے زیرِ مزار بحث

ہو بحثنا تو اپنے مقابل سے بحثیے
کیا کر سکے بھلا یہ اطاعت گزار بحث

ج

زندہ ہوں ابھی کس لیے تکلیف اُٹھائی
کل تک بھی جہاں آپ تھے رہنا تھا وہیں آج

اُترا ہُوا سا منہ ہے صفی ہونٹ خشک ہیں
کیوں بھائی خیریت سے تو ہے آپ کا مزاج

دیکھے تو کہاں دیکھے کوئی دیکھنے والا
اُن کی تو یہ حالت ہے کہیں کل تو کہیں آج !

ح

سہل ہوتی موت بھی مجھ کو محبت کی طرح
صاف ہوتا دوست کا دل بھی جو صورت کی طرح

ختم ہو جاتے جو حسن و عشق کے راز و نیاز
شاعری بھی ختم ہو جاتی نبوّت کی طرح

کچھ اسی کے دل سے پوچھو عمر کے دن کاٹنا
زندگی پڑ جائے جس کے سر مصیبت کی طرح

کس طرح دے دوں طرح میں اس طرح کو اے صفیؔ
یہ طرح دے کر توڑالی تُو نے آفت کی طرح

شبِ وصال نہ نکلی کچھ آرزوئے دل کی
وہ آئے اشک کی صورت گئے گماں کی طرح

خدا گواہ بقولِ جناب داغؔ صفیؔ
بگڑ گئی ہے عجب بے طرح جہاں کی طرح

خ

اُن کی نقلیں اُتارتا ہے دل
ہے یہ گستاخ بھی عجب گستاخ

د

جس دن سے نہیں دیدۂ عشاق میں آنسو
ہے کال کا ڈر، کرتے ہیں پانی کی دُعا یاد

حاصل نہ ہُوا عیش تو تکلیف میں گزری
تم یاد نہیں آئے تو آیا ہے خُدا یاد

وعدہ شکنی کا جو گلہ مَیں نے کیا تھا
اے وعدہ فراموش یہ کس طرح رہا یاد

مَیں کونسا احسان ترا بھول گیا ہوں
اے دشمنِ اربابِ وفا کچھ نہ دِلا یاد

ہم روئیں لہُو اور اِدھر عید، اُدھر عید
کیا آئی ہے قربان ترے، ہائے بقرعید

اس کان کے کھچے کے عوض موت ہی آئے
اللہ مرے! نام اِسی کا ہے اگر شعید

ہم دل کے منانے میں ہیں کیا عید منائیں
ہیں دید سے محروم، کہاں عید، کدھر عید

روتا ہوں نصیبوں کو ابھی اس قدر اتنا
پھر اس پہ ہنساتی جو مجھے چاہ پہر عید

کب تک منائیں اور منائیں تو کس قدر
اب خاک چھانتی ہی پھرے دربدر کی عید

اس قدر ہے اضطرابِ دل کہ اُڑ جاتی ہے نیند
کس کو چین آتا ہے فرقت میں کسے آتی ہے نیند

تیری مژگاں کے تصور نے جگایا رات بھر
ہم سناتے تھے کانٹوں پہ بھی آجاتی ہے نیند

آ میرے چاند عید کا روزہ حرام ہے
کس طرح تیری شکل کا بھوکا منائے عید

دُنیا تمام آج ہے دُلہن بنی ہوئی!
ایسے میں کاش میری بھی بگڑی بنائے عید

ناخواندہ میہماں کی صفی قدر تا بہ کے
آنے لگی ہے گھر میں میرے بے بُلائے عید

اب تو یہ حال ہوگیا ہے صفی
آٹھ کا خرچ، چار کی آمد

ذ

خط وہ کیا، سادہ، جو ملفوف ہو اندر کاغذ
لے کے خالی کوئی کیا مار لے سر پر کاغذ

ہوں گنہ گار مگر جمع ہے ساری خلقت
کھول ایسے میں نہ اے داورِ محشر کاغذ

کیا لکھوں وصف یہ تیرا ہی کرم ہے ساقی
کانپتا ہے جو مرے ہاتھ میں تھر تھر کاغذ

سگِ دُنیا سے نہ کر خوف یہ رُوباہ خصال
شیر ہے شیر کے مُکھٹے کا لگا کر کاغذ

ہم نے جب اپنے اَوائل کے نوشتے دیکھے
نِکل آئے ہیں بڑے کام کے اکثر کاغذ

ہم نشیں کاتبِ اعمال بنا ہے میرا
ہاتھ سے اُس کے نہیں چھوٹتا دم بھر کاغذ

خود نہ آئیں کبھی دو حرف ہی لکھ کر بھیجیں
نہیں فرصت کہ نہیں اُن کو میسّر کاغذ

میری تقدیر کا لکھا نہ ہٹے تو نہ مٹے
بن نہ جائے تری دہلیز کا پتھر کاغذ

اپنی تصویر میں تُو خود کو کہاں دیکھے گا
آئینہ آئینہ، کاغذ ہے ستمگر کاغذ

فکرِ دیواں میں پریشان ہوں دن رات صفیؔ
آج کل ہے مجھے چاندی کا ورق ہر کاغذ

ر

کھایا اُدھار زندگی مُستعار پر
لاکھوں نے نقد وار دیا اِس اُدھار پر

ہے زندگی تو پائیں گے اِک دن گُلِ مُراد
اب کی بہار پر نہیں اب کی بہار پر

پروانہ کیا جلے گا محبت کی آگ میں
اِک جانور غریب بساط اس کی "چار پر"

کردی تری ادائے کرم نے زبان بند
اُمید وار رہ گئے دامن پسار کر

دستِ جنوں سے چھُٹ گرا اپنی آستیں
دامن کی خیر مانگتے دامن پسار کر

مارے خوشی کے آنکھ سے آنسو نکل پڑے
کتنا ہنسو گے گریۂ بے اختیار پر

وہ اُن کا لُطف وہ مری دیوانگی کہاں
اُٹھتی ہے ہُوک سی تو نگہ ہر بہار پر

مِل کر گلے، مزاج ہی اُن کا نہیں مِلا
تیور بگڑ گئے مری بگڑی سنوار کر

منصُور جاتے جاتے یہ کہتے گئے صفی
جو حق کہے تو کھینچتے ہیں اُس کو دار پر

لاشہ بھی بارِ دوش ہے احباب پر صفی
گویا میں ایک اب بھی ہوں بھاری ہزار پر

تنقید کیا کروں نگہِ اشکبار پر
دریا کبھی چڑھاؤ، کبھی ہے اُتار پر

اے دِل نہ عقیدہ ہے دَوا پر، نہ دُعا پر
کم بخت تجھے چھوڑ دیا ہم نے خدا پر

کیا آہ سے ارمان نکلتے ہیں کسی کے
پُل باندھتے ہیں، باندھنے والے تو ہَوا پر

تاکا تھا مجھے اور چھِدا غیر کا سینہ
اے واہ نکالے ہیں ترے تیر نے کیا پر

دیکھیں ترے کُوچے کی ذرا آب و ہَوا بھی
چلتے ہیں جو پانی پہ، جو اُڑتے ہیں ہَوا پہ

ایسے ترے عاشق کبھی دیکھے نہ سُنے تھے
پہرے تو بٹھائے نہیں نقشِ کفِ پا پر

وہ کون ہے، مَیں کون ہُوں، کیا مُنہ سے نکالوں
منصُور کو سُولی ملی ایسی ہی خطا پر!

بس، اتنے گُنہ گار ہیں بدنامِ محبت
آنکھیں تو مَلی ہیں ترے نقشِ کفِ پا پر

اے دوست فراموش! یہ ہے حال ہمارا
آمین کہا کرتے ہیں، دشمن کی دُعا پر

تم سے تو صفیؔ نے فقط اِک ڈھونگ کیا ہے
کھاتا ہے نہ پیتا ہے، تو جیتا ہے ہوا پر؟

مرے دشمن بھی رو دیتے ہیں اب تو مری حالت پر
محبت کا بُرا ہو، خاک پڑ جائے محبت پر

کسی کی یاد آئی ہم کو اپنا دل بھی یاد آیا
بہت سچ ہے کہ ہر شے یاد آتی ہے ضرورت پر

کن آنکھوں سے کسی کے دیکھنے پر دل دیا ہم نے
یہ لعلِ بے بہا بیچا ہے اَونی پَونی قیمت پر

تری محفل کی باتیں اس طرح خوش ہو کے سُنتا ہوں
کہ جیسے نیک بندے کان رکھیں ذکرِ جنّت پر

ہماری خاک تم برباد کر ڈالو، مگر دیکھو
سُنا کرتے ہیں "مٹی بھی نہیں ملتی ضرورت پر"

پیرہن کی بھی جھلک پڑتی ہے رُخساروں پر
واہ وا خُوب لِٹایا مجھے انگاروں پر

رضائے دوست پر دی جان میں نے
بڑی لاگت لگی ہے اِس دوا پر

ہوا مجھ کو بتا کر وہ یہ سمجھے
بشر کی زندگانی ہے ہوا پر

خدا کو یاد کرتے ہیں جو بندے
بڑا احسان کرتے ہیں خدا پر

شریکِ کار بھی ناصح بھی ہمدم
خدا کی مار ایسے پارسا پر

پایا نہ اک ذرا بھی کبھی میکدے کا رنگ
بستر لگا کے دیکھ لیا خانقاہ پر

اِترا گئے سے ہوتے ہیں تعریف پر صفیؔ
سرکار پھُول جانے لگے واہ واہ پر

خیر ہو چین نہیں پاؤں کو اندر باہر
آج کس پر وہ خفا گھر میں ہیں کس پر باہر

آپ کی جس پہ ذرا سی خفگی ہوتی ہے
بزم کی بزم اسے کہتی ہے باہر باہر

اپنی دہلیز سے کیا اس نے اٹھایا ہم کو
کر دیا شہر سے گویا کسی پتھر باہر

کب سے ہیں کیوں ہیں ترے در پہ یہ معلوم تو کر
لے غریبوں کی دعا، بیٹھ گھڑی بھر باہر

دم کے چڑھنے سے صفی لوٹ گیا، بیٹھ گیا
ورنہ ہوگا یہ کوئی سانس کے اندر باہر

میری آہیں جو سنیں ڈانٹ کے اس نے یہ کہا
"ہائے والے ایسی جو کرنی ہے تجھے، کر باہر"

ہند میں ہے مرے اشعار کی تعریف صفی!
واہ وا ہے تو وطن میں، ہیں مقلّد باہر

تمہارا اٹھ کے جانا تھا کہ اٹھا درد بھی فوراً
بڑی تسکین تھی جب تک تمہارا ہاتھ تھا دل پر!

ہمیں سے بحث کرنے پر تلے ہیں حضرتِ واعظ
کوئی سمجھائے کس سے گفت و گو، پھر کن مسائل پر

کہاں کی رسم یہ کس ملک کا دستور ہے پیارے
جھڑک دیتے ہیں سائل کو برس پڑتے ہیں سائل پر

پھر گئے گزرے دنوں کی یاد تڑپانے لگی
پڑ گئی پھر آنکھ بھولے سے تری تصویر پر

دل بھر گیا ہے دیکھ لی سارے جہاں کی سیر
نالے ہیں میرے اور ہے اب آسماں کی سیر

پایا ہے دخل بے ادبوں نے مزاج میں
سرکار پھر صفیؔ نہ رہے کیوں ادب سے دور

اے دل غمِ عشق میں جلا کر
بے کار مباش کچھ کیا کر

صفیؔ کو چھیڑتے ہو کس لیے تم!
کہ بے دل آدمی دشمن برابر

محروم ہوں جواب سے تجھ کو پکار کر
پروردگار! دور مرا خلفشار کر

بھٹی کے ہیں عروج و زوال ایسے شیخ جی
میکش چڑھا کے خوش ہے تو مے گر اتار کر

ہوتے ہیں بے گناہ صفیؔ سارقانِ شعر
لکھتے ہیں جس قلم سے وہ ہوتا ہے "پار کر"

بھلا ان سے کیا پیش چلتی کسی کی
بہت پانوں پھیلائے دل نے مچل کر

حسرتِ دیدار کیا نکلی مرا یہ حال ہے
جس طرح اُٹھے کوئی خوابِ پریشاں دیکھ کر

لوگ میری شاعری پر وجد کرتے ہیں صفیؔ!
ہاں مگر باور نہیں آتا ہے صورت دیکھ کر

ہم کو وحشت ہو بھلا چاک گریبانی سے
اور پھر آپ کے وابستۂ داماں ہو کر

دیکھیے کتنے پریشانوں کے جی چھوٹ گئے
آزمائش نہ کیا کیجے پریشاں ہو کر

نہ بُلانے کا گِلہ ٹالنے بُلوایا تھا!
دوستی دیکھ چکے دوست کا مہماں ہو کر

کم نہیں مرگِ مفاجات سے حکمِ حاکم
زندگی سہل نہیں تابعِ فرماں ہو کر

اور پچھتاؤ گے لے لے گا جو کوئی تصویر
فکر اچھی نہیں انگشت بدنداں ہو کر

مجرمِ بارگہِ حسن ہوئے نادمِ عشق!
ہم کہیں کے نہ رہے چاکِ گریباں ہو کر

دردِ عشّاق کی برداشت کا اندازہ تھا
کھو دیا سب نے بھرم اپنا پریشاں ہو کر

مار ڈالا ہے جنھیں، وہ تو نہیں جی سکتے
اب جو زندہ ہیں، نہ مار، اُن کو پشیماں ہوکر

دوست نے آکے جو مرنے سے بچایا تو صفیؔ
مر گیا اور بھی شرمندۂ احساں ہوکر

تڑپا تو کہا "خیر" جو رویا تو کہا "اور"!
خیر، اور تو جانے دو، یہ کیا "خیر" ہے، کیا "اور"!

روتے کو ہنسانے کی، نکالی یہ ادا اور
ہر چیخ پہ کہتا ہے، ذرا اور، ذرا اور

ڑ

جیب و داماں سے زیادہ دے کے حیراں کر دیا
میرے داتا نے نکالی اِس طرح سائل سے چھیڑ

بند مٹھی کا بھرم کھل جائے گا اے منعمو!
جی بہلنے کے لیے کرتے ہو کیوں سائل سے چھیڑ

مَیں ہی کب تک واقعاتِ عاشقاں پوچھا کروں
کچھ نہ کچھ آخر کسی دن تو بھی اپنے دل سے چھیڑ

ساز گار آیا نہ سب کو نغمۂ تارِ نفس
چھیڑ اس کو چاہیے آسانی یا مشکل سے چھیڑ

تو جو لہرا کر کبھی آتا ہے دریا کی طرف
مچھلیاں پانی سے، موجیں کرتی ہیں ساحل سے چھیڑ

ز

خواب میں آتے، نہ آئی اُن کو آنے کی تمیز
خوب ہے لیکن، یہ سوتے کو جگانے کی تمیز

دشمن اچھا ہے، جو اس سے دشمنی کا لطف آئے
دوست کیا، جس میں نہ ہو کچھ دوستانے کی تمیز

جان دوں میں آپ پر اور آسماں کو لے مروں
یہ بھلا کیا جانے عاشق کو ستانے کی تمیز

دوست سے بد ظن نہیں ہوں لیکن اس کو کیا کروں
غیر میں ہے غیر کو اپنا بنانے کی تمیز

آ نہیں سکتا کسی میں نازنینوں کا چلن
واہ آنے کا قرینہ، ہائے جانے کی تمیز

کر یہ عاشق کی نقلیں، اور پھر تم واہ وا
کس میں آئے گی، یہ روتے کو ہنسانے کی تمیز

غنچہ کیا، اس کا تبسم کیا، تمہیں سوجھی ہے کیا
اُس میں کب ہے مسکرا کے منہ چھپانے کی تمیز

ایک میں بھی رنگ اہلِ حُسن کا دیکھا نہیں
اس گھرانے کا سلیقہ اُس گھرانے کی تمیز

آج تم پہلے پہل ساقی بنے چلنے بھی دو
دیکھتا ہے کون پیمانہ ڈھلانے کی تمیز

مجمعِ احباب میں تم غیر بن جانے لگے
خوب پیدا کی محبت آزمانے کی تمیز

ہم نہ مانیں گے کہ مجنوں عقل سے بیگانہ تھا
کیا نہ تھی لیلیٰ کو دیوانے سیانے کی تمیز

فرقتِ ساقی میں اب تک زہر کھا لیتا صفی
اُس کو پینے کا سلیقہ ہے نہ کھانے کی تمیز

ایمان ہے کہ ہے وہ مجھے جان سے عزیز
اے تو یہ جان ہوتی ہے ایمان سے عزیز

مال سے جان تو ہے جان سے ایمان عزیز
تُو مجھے سب سے زیادہ ہے مری جان عزیز

عاشقی کے واسطے دل چاہیے
غم نہیں ہر ایک کے کھانے کی چیز

ہے ایک بلا اُس بُتِ طنّاز کا انداز
تسخیر کی تسخیر ہے، انداز کا انداز

س

دردِ دل تو ڈھونگ ہے اُن بے وفا بے حِس کے پاس
روئیں کس کے آگے ہم، یاد جائیں کس کے پاس

سیکڑوں بہروپ دیکھے، سیکڑوں بہروپیے
ہم تمہارے پاس آنے تک پھرے کس کس کے پاس

غم غلط ہونا کہاں کا اور اک غم مول لائے
اس کو اپنے سے سوا پایا گئے ہم جس کے پاس

کچھ "نئے پُل" پہ بھی گزرے، یاس کے دن اے صفیؔ
ساری ساری رات ہم بیٹھے ہیں تار آفس کے پاس

ش

گھڑی بھر آج وہ مجھ سے رہا خوش
خدا رکھے اُسے اس سے سوا خوش

"الٰہی! بختِ تو بیدار بادا"
عدو ناخوش رہیں اور آشنا خوش

جب تیری باہیں گلے کا ہار ہوں
کیوں ہے زاہد کو حمائل کی تلاش

خوش آئے مجھے بھی کر دیا خوش
جاؤ میں خوش، ہرا خدا خوش

دِل لے کے نہ کر مجھ کو مری جان فراموش
اچھے نہیں ہوتے کبھی احسان فراموش

صفیؔ میری خوشی یا ناخوشی کیا
رکھا جس حال میں اُس نے، رہا خوش

ص

سب کچھ ہوں، بارِ خاطرِ احباب تو نہیں
رکھتا ہے ایک ایک مرا اضطراب خاص

ض

کیا کریں گے شیخ صاحب! زندگی بھر اعتراض
ہر کسی کی عیب چینی، ہر کسی پر اعتراض

آپ کا گھر سے نکلنا اک قیامت ہو گیا
ہو رہے ہیں آج کل اس پر تو گھر گھر اعتراض

دس گُنا بدلہ ملے واعظ کو اے مالک مرے
سات تو دُنیا میں ہوں، عقبیٰ میں ستّر اعتراض

مشورہ تھا، رائے تھی، میری صلاح نیک تھی
آپ سمجھے ہیں جسے اے بندہ پرور اعتراض

ق
آج کل مشہور ہونے کی یہی ترکیب ہے
چھاپتے جائیں سخنور پر سخنور اعتراض

نکتہ چینوں کی حمایت بڑھ رہی ہے خیر ہو
وہ دن آتے ہیں کہ ہوں پیسے میں سَتّر اعتراض

بس خدا کی ذات ہے بے عیب، ہم تم کیا صفی
آج تک ہوتے نہیں آئے ہیں کس پر اعتراض

ظ

نہ ہو جب کسی کو زباں کا لحاظ
کہاں کی مروّت کہاں کا لحاظ

زبردست مارے تو رونے نہ دے
زمیں کیوں کرے آسماں کا لحاظ

جنونِ محبت کی توہین ہے
اگر دل میں ہے این و آں کا لحاظ

مجھے کون جھوٹا کہے گا صفی
غزل میں بھی رکھّا زباں کا لحاظ

رُخسار لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْن
اِس کا لحاظ وہ ہے جو قرآں کا لحاظ

ع

کیوں رکھوں بے نالہ وزاری عطا کی آرزو
کام سب سے کم، زیادہ سب سے اُجرت کی طمع

غ

تیرا مکاں جو دل ہو، تری رہگذر دماغ
ایسے لشکر کو حق ہے کرے جس قدر دماغ

نیند اُڑ گئی ذرا جو مرے رازدار کی
نادان دوست چاٹ گیا رات بھر دماغ

اپنی بکے سُنے نہ کسی کی جو ہم نشیں!
ایسے دماغ والے کو کہتے ہیں خر دماغ

واعظ کو بزمِ وعظ میں دیکھے ذرا کوئی
یا تخت پہ جلوس ہے یا عرش پہ دماغ

مجھ سے زیادہ ہیں مرے غم خوار فکر میں
بیٹھے ہوئے لڑاتے ہیں شام و سحر دماغ

زر ہے نہ زور، اور نہ کچھ اور ہے صفی
پھر کیوں یہ اے دماغ چلے، بیچ اُدھر دماغ

ف

کر دیں میری خطا حضور معاف
آپ ایسے نہیں قصور معاف

آپ حالت سے میری کیا واقف
مَیں ہوں یا ہے مرا خدا واقف

دل گیا کھُل گئیں صفی آنکھیں
اب تو اُس شوخ سے ہُوا واقف

کیا ہو، کرو جو تم بھی مری اِک خطا معاف
کرتا ہے سو گُناہ بشر کے خدا معاف

ق

بے خودی اب وہ کہاں کی، وہ کہاں کی وحشت
اے صفی ہو گئے ہم اب تو نِرے عاشق

یاد آئی تھی ایک پیاری بات
بات کرنے کے ہیں ہزار طریق

ک

تری تسلیم ہے جو دوسروں سے پیار کرتا ہوں
تری صورت تو میں تکتا تھا، اب تُو مری صورت تک!

اِدھر لعنت ملامت عقل کی، کچھ ہوش پیدا کر
اُدھر دل کا تقاضہ روز کا، "اِک خوبصورت تک"

کسی پر دل کا آنا، اور ایسا ٹوٹ کر آنا
رہے گی یادگار اپنی زمانے میں قیامت تک

تمہارے شعر پڑھ کر جی بہلتا ہے ہزاروں کا
صفیؔ صاحب خدا زندہ رکھے تم کو قیامت تک

عُمر بھر میں کُل گھڑی بھر کے لیے زندہ رہے
تیرے ملنے کی بندھی تھی آس تھوڑی دیر تک

دوست کا دوست بھی ہے دوست، مثل مشہور
اُس کے عُشّاق کشیدہ ہیں، مگر ایک سے ایک

کب تک دُنیا کا روگ پالوں
مرے پروردگار، کب تک

پیری میں صفیؔ یہ شوخ باتیں
بس چھوڑ بھی میرے یار کب تک

ہم کو آنسو پی کے باور آگیا
واقعی بہتا ہے پانی سے نمک

گ

آداب اور ادب نہیں محفل میں آپ کی
لائے ہیں مانگے تانگے کے گویا اُدھار لوگ

لوگوں سے اُٹھتی جاتی ہیں ایمان داریاں
دُنیا سے اُٹھتے جاتے ہیں ایمان دار لوگ

اب عشق و عاشقی کو ہمارا سلام ہے
اِس کام کو بگاڑ چکے ہیں گنوار لوگ

دل کیا لگاؤں حُسن فروشوں سے اے صفیؔ
ملتے ہیں وضع دار ایسے تو باون ہزار لوگ

دی جان کوہ کن نے مگر آن تو نہ دی
گزرے ہیں عاشقوں میں بھی کیا وضعدار لوگ

تم ہم جو مل کے بیٹھیں تو اُٹھتی ہیں اُنگلیاں
کیا مل کے بیٹھتے نہیں دُنیا میں چار لوگ

جس سے نہ مل سکے اُسے بدنام کر دیا!
کیا کیا تماشے کرتے ہیں دُنیا میں یار لوگ

حاسد ہیں اتفاق کے دشمن سخن تراش
اُٹھیں ہزار تہمتیں بیٹھیں جو چار لوگ

جو بنا لیتا آپ کا سا مزاج
میں بھی دن بھر میں سو بدلتا رنگ

کیوں ہو بھبھوکا بیٹھے ہو محفل میں
رنگ میں بھنگ ہو تو کیسا رنگ

ہم کو آتی نہیں سخن سازی
ظاہری دیکھتی ہے دنیا رنگ

ہے تقاضائے احتیاط یہی
سو میں بیٹھو نہ چھوڑو اپنا رنگ

وہ ہیں پھر دوستانِ رنگا رنگ
کیا جماؤں وہاں میں اپنا رنگ

شاعری کھیل ہوگئی ہے صفی
اِنکے ڈرکے رہتے ہیں فن کے لوگ

خلق و تہذیب میں خدا رکھے
ہیں غنیمت بہت دکن کے لوگ

وہ سرِ شام سیر کو نکلے
پڑ گیا زرد آفتاب کا رنگ

چاند میں کونسی ہے اُن کی بات
نہ یہ بوٹا سا قد نہ چہرا رنگ

ل

فیصلہ کر دیا تو ارمانِ دلِ مضطر نکال
یا تو میں حاضر ہوں بسم اللہ چل خنجر نکال

کون کہتا ہے کہ ارمانِ دلِ مضطر نکال
باتوں باتوں میں بگڑ جا بیٹھے بیٹھے شر نکال

جُرمِ عاشق دیکھ، خود کو دیکھ، اپنی شان دیکھ
جانے دے انجان ہو جا چشم پوشی کر، نکال

اے صفی، پھر اس کی محفل کی تمنّا ہے مجھے
یاد ہے وہ، اس کو باہر کر، اسے باہر نکال

مَیں یہ کہتا ہوں کہ نام اُس بے وفا کا اب نہ لوں
دل یہ کہتا ہے کہ اس کا تذکرہ اکثر نکال

بے دلی کی زندگی سے جی بہت اُکتا گیا
دیکھ ظالم! غیر کا غصہ نہ تُو ہم پر نکال

تجھ کو گننے کی ضرورت کیا ہے اب میرے قصور
ظلم تو ہے ایک کے دس، سات کے ستّر نکال

کچھ ہوا سے اُڑ گئے، کچھ دھوپ سے مُرجھا گئے
سب کی آنکھوں میں کھٹکتے تھے مری تربت کے پھول

اِک زمانہ تھا حسیں اپنے گلے کا ہار تھے
ہم نے بھی پہنے کبھی انسان کی صورت کے پھول

ہم اپنی جان کیوں دیں دوسروں پر
کہاں ہے دوسرا لینے کے قابل

یہ تو نہ کہیے "ہم نے تمہارا لیا ہے کیا؟"
بندہ نواز! یاد دہانی معاف، دِل!

ہے میرا بال بال گنہگار اے صفی!
اتنے گُنہ کیے کہ نہیں اُتنے سر میں بال

کون کرتا ہے وفا اے ہوش کے ناخن صفی
ساری دُنیا اپنے مطلب کی ہے بھاتی آج کل

وہ ہیں دلبر بنا لینے کے قابل
کلیجے سے لگا لینے کے قابل

م

دُنیا میں کیسے کیسے تماشے کے لوگ ہیں
اب یہ خبر اُڑائی کہ اُس سے خفا ہیں ہم

اُس پہ مِٹے ہوئے ہیں، مِٹاتا ہے جو صفیؔ
دشمن کی گا رہے ہیں بڑے خوش نوا ہیں ہم

گھر سے نکلے تھے تم کو دیکھا
معلوم نہیں کدھر گئے ھم

رُسوائی چڑھے نہ اور جھنڈے
اس کے دِل سے اُتر گئے ھَم

بے تابئ دِل، ترے تصدّق
پہلے پہلے تو ڈر گئے ھَم

اُمید بندھی تو جان نکلی
جینے کے دِنوں میں مر گئے ہم

دردِ دل سے ہم اگر مرتے ہیں مرنے دو ہمیں
کیا غرض، کیا واسطہ، کیا تم کو غمخواری سے کام

وہ جو لیتا ہے تو لے اپنی ستم گاری سے کام
ہم کو فعلوں سے غرض کیا، یار کی یاری سے کام

بات بگڑی، جب بنائی بات اُن کے رُوبرو
کام نکلا جب نکالا ناز برداری سے کام

اے صفیؔ! ملتی حکومت اگر محبت کے عوض
پھر تو لیتے خط کے بدلے نیم سرکاری سے کام

اللہ دشمنوں کی نظر سے اُسے بچائے
رُسوا ہوئے جنابِ صفیؔ جس نظر سے ھم

مِٹ چکے داغ ہائے بد نامی
آج کل گِن رہے ہیں تارے ہم

اے صفیؔ ہم سے اُن کو کام نہیں
ہو گئے اِس قدر نکارے ہم

نہ کہو اب کنارا آ جاؤ
لگ چکے گور کے کنارے ہم

دِن قریب آ گئے ہیں مرنے کے
پھر رہے ہیں جو مارے مارے ہم

ہیں جب سے ہم خیال، دلِ مُبتلا کے ہم
جاتے ہیں اُس کے سامنے سے مُنہ چھپا کے ہم

تکلیف ہو کسی کو گوارا نہیں ھمیں
روتے ہیں غیر کو بھی گلے سے لگا کے ہم

غمِ دوست کا جو کھائیں تو اظہار ہو مُدام
ہو روپیہ تو آج مُکر جائیں کھا کے ہم

اپنے پہ ناز تھا جو اُٹھاتے تھے اُن کے ناز
اے توبہ کوئی خُوگرِ جور و جفا ہیں ہم

ن

آپ کا منہ ہے ورنہ ہم سنتے
دشمنِ بد شعار کی باتیں

صفی داغِ محبت میری برسوں کی کمائی ہے
اسے پالا ہے سینے سے لگا کر مہرباں برسوں

عاجزی، منت، خوشامد پر بھی وہ چپ ہی رہے
منہ سے بول اٹھتا اگر پڑتے کسی پتھر کے پاؤں

جوانی نہیں، بن سنورنے کے دن
جھجکنے کی راتیں ہیں، ڈرنے کے دن

تمہارے نہ ملنے سے کیا ہو گیا
گزر ہی رہے ہیں گزرنے کے دن

غنیمت ہے صاحب سلامت تری
رہے اب کہاں بات کرنے کے دن

جوانی گئی اور لے کر گئی
کسی بات سے جی نہ بھرنے کے دن

مری چار لوگوں میں رہ جائے بات
مروں تیرے دل سے اترنے کے دن

بڑھاپے میں بیکار ہیں شوق ذوق
یہ ہیں اللہ اللہ کرنے کے دن

صفی اب زمانہ ہے نازک بہت
یہ ہیں اپنے سائے سے ڈرنے کے دن

اے صفی بس اب تو مَیں نے ٹھان لی ہے ایک بات
سب کی سُننے کو تو سُن لوں، کام کرنے کا کروں

مُنہ ہی مُنہ میں شکوہ ہائے عاشقِ دِل خستہ کیوں
بات سچی ہے تو پھر فرمائیے، آہستہ کیوں

محبت کیا نبھے آپس میں جب ایسی گرفتیں ہوں
ہنسے کیوں، آہ کیوں کھینچی؟ یہ ایسا کیوں وہ ویسا کیوں

چوٹیں جو کھائیں دِل پہ محبت میں کیا کہوں
پتھر پڑے ہیں کیا، مری قسمت میں کیا کہوں

پتّا کھڑک گیا تو مرا دِل دھڑک گیا
کیا کیا مزے تھے ہائے طبیعت میں کیا کہوں

نالہ کہاں، زمین کہاں، آسماں کہاں
مَیں نے تمہاری دھاک بٹھادی کہاں کہاں

ہم گرد شوں میں ایک بگولہ بنے رہے
بگڑی ہوا تو خاک اُڑائی کہاں کہاں!

وہ کہہ کے چھوٹ جانے کو تھے "تم وہاں ملو"
چوکنّے ہو گئے جو یہ پوچھا "وہاں کہاں"

کیا بات ناگوار ہوئی، خیریت تو ہے
آخر یہ بیٹھے بیٹھے کہاں، مہرباں کہاں

ہے صفی کے ساتھ یہ اردو، یہ اندازِ غزل
حاسدو! سُننے میں پھر آئیں گی یہ باتیں کہاں

رعنائیانِ حُسن پہ اُن کی نظر کہاں
اپنی بسنت کی، ابھی اُن کو خبر کہاں

پھر تری چاہ کے ارمان کہاں سے لاؤں
اپنے کھوئے ہوئے اُوسان کہاں سے لاؤں

یہ پراگندہ ہے جو کچھ بھی غنیمت ہے صفی
میں غریب آدمی دیوان کہاں سے لاؤں

کون دیتا نہیں آزار کا کچھ کال نہیں
دِل سلامت ہے تو ہے تجھ سے ستمگر لاکھوں

ہم جسے دیکھ کے جیتے ہیں خدا کی قدرت
جی بہت خوش ہے کہ مرتے ہیں اُسی پر لاکھوں

واہ کیا پھوٹ کے نکلی ہے جوانی تیری
ہر نظر تیر چلا دیتی ہے دل پہ لاکھوں

ارمانِ دیدِ جاں کا جنجال ہو گیا
دن بھر کہیں خراب رہے رات بھر کہیں

گو تھا دروغِ مصلحت آمیز وصفِ غیر
ان کا عقیدہ آئے نہ اِس بات پر کہیں

تلوا کھجا رہا ہے تو اُس بزم میں چلیں
کیا شامت آئی ہے جو کریں ہم سفر کہیں

نکلے صفی کہ تیرا نمک پھوٹ پھوٹ کر
دیکھی ہے کوئی پیار کی صورت مگر کہیں

بدظنی دل میں، حسد دل میں، تمنا دل میں
گھامڑے شوق سے بھر لیتے ہیں کیا کیا دل میں

ہر تمنا میں مری ایک نہ اِک عیب نکال
ہاں مرے دوست نہ رہ جائے تمنا دل میں

اُسے چین آگیا بے چین کر کے ہم کو محفل میں
ہمارا دل جلایا جب کہیں ٹھنڈک پڑی دل میں

مُنہ آتا تو ایسا بھیک کا ٹکڑا یہ کیوں کھاتا
خدا کے واسطے حُسنِ طلب ڈھونڈو نہ سائل میں

بہہ گئے آنکھ سے آنسو بھی خوشی کے مارے
تم کو دیکھا تو ہُوا حشر ہی برپا دل میں

اور کے ساتھ کیا چلو گے چال
یہ ہمیں تھے جو آ گئے دَم میں

مِرے رونے سے اُس نے آرزو پہچان لی میری
بہت ہو یا نہ ہو آتا ہے دل کا رنگ آنسو میں

ہم آوارہ سہی، لیکن اُنھیں بھی کم نہیں پایا
رہا کرتے ہیں جو چونسٹھ گھڑی آٹھوں پہر گھر میں

کہتے ہیں لوگ موت سے بدتر ہے انتظار
میری تمام عُمر کٹی انتظار میں

مَیں نے بھی توبہ توڑ دی اپنی تو کیا ہُوا
دُنیا کے لوگ کیا نہیں کرتے بہار میں

ساحل پہ رہ کے ڈُوبنے والوں پہ پھبتیاں
کس بَل پہ ہے پَیرنے کا تو پڑ منجدھار میں

صفی دُنیا میں جینے کا مزہ ہم نے نہیں پایا
کہ اپنی عُمر کچھ غفلت میں گُزری کچھ ندامت میں

اے صفی اللہ جانے یہ غزل کیسی رہی
مُنہ کو جو آتا گیا کہتے گئے ہم جوش میں

یہ دُنیا خود غرض ہے حلوے مانڈے سے اُسے مطلب
مَرے کوئی تو مُردہ جائے دوزخ میں کہ جنّت میں

تمہارے سنگِ در میں لعل ہیرے ہیں تو ہم کو کیا
پڑے جھولی میں پتھر آئے خطرہ جس کی نیت میں

میں اُس بندہ نواز و بندہ پرور کے تصدّق ہوں
جو بھولو عیش میں تو یاد آتا ہے مُصیبت میں

وہ جو سمجھیں اور کچھ تو بدظنی کا کیا علاج
راز کی اِک بات کہنی تھی مجھے تو کان میں

زندگی کا کیا بھروسہ اے صفیؔ
آج گھر میں ہیں تو کل ہیں گور میں

اُن کے مُنہ کی گالیاں کھانے لگے
وہ جو کچھ کھاتے نہ تھے بازار میں

قیامت ڈھا رہے ہیں یہ پری چہرہ زمانے میں
مگر کیا دخل بندوں کو خدا کے کارخانے میں

کیوں نااُمید ہے دلِ اُمیدوارِ وصل
کیا جانے آئے غیب سے کل کیا ظہور میں

صفیؔ مِل کر کسی سے ہم نے ایسی زک اُٹھائی ہے
کہ اب جاتے نہیں غیرت کے مارے مِلنے والوں میں

اے صفیؔ دل میں ہے کچھ تیری زباں پر کچھ ہے
کیا کہیں گے تجھے سب اپنے پرائے دِل میں

رحم کر اے گریۂ بے اختیار
آنکھ نیچی ہے ہماری چار میں

بڑھتی جاتی ہیں روزانہ ہزاروں حسرتیں دل میں
مری مشکل کشائی کر کے ڈالا تم نے مشکل میں

وہ جیسا سب سے سنتا ہے مجھے ویسا سمجھتا ہے
مرے دل میں ہے کیا کچھ گھس کے دیکھا تو نہیں دل میں

صفی استاد بننا ہے تو استادانِ عالم کی
اٹھاؤ جوتیاں، تازہ کرو حقّے، بھرو چلمیں

وہ بے خودیٔ عشق نہ پائے گا اے صفی
پیتا تو کیا ہے ڈوب کے مر جا شراب میں

چھوڑ میری مصیبتوں کا خیال
تو بھی پڑ جائے گا مصیبت میں

طالبِ دید کو نظر آجا
دیکھ دیدے تو لگ گئے چھت میں

میری نقلیں اتارتے ہیں آپ
کوئی دیکھے جو ایسی حالت میں!

عید کا چاند آپ نے دیکھا
لگ گئے چار چاند شہرت میں

پس وعدہ وہ مُسکراتے ہیں
کچھ نہ کچھ ہے فتور نیت میں

رکھ لیا اُس کو کلیجے میں کہ میں نے کھا لیا
کیا کوئی سُرخاب کا پَر تھا تمہارے تیر میں

مرے ناصح کی ہر اک بات قانونِ محبت ہے
لگائی ہو گی کیا کیا آگ حضرت نے جوانی میں

صفی کیوں شاعروں میں نام لکھوایا ہے سُنتے ہیں
زباں گُدّی سے کھینچی جائے گی ان کی قیامت میں

جنابِ دل، مُبارک تم کو یہ ذہنی سفر گھر میں
خیالی گھوڑے دوڑایا کرو، بس بیٹھ کر گھر میں

ہمیں عُقبیٰ کا دھڑکا اور دُنیا بھر کی فکریں ہیں
اُدھر آدھے ہیں گویا گور میں، آدھے اِدھر گھر میں

پہچان لیتے ہیں تجھے ہر رنگ رُوپ میں
کیا ہم نے اپنے بال پکائے ہیں دُھوپ میں

ہے فکرِ آبروئے دل و داغ ہائے دِل
ڈُوبا ہُوا ہوں مُلکی و مالی اُمور میں

گُناہ گار ہوں کرتا ہوں یا تو پشیمانی
خجالت اتنی ہٹاتا ہوں نہ تماز نہیں

اُن کی باتیں تو بہت صاف ہُوا کرتی ہیں
سُننے والوں کی خطا ہے ہمہ تن گوش نہیں

کچھ نہ ہو کاتبِ اعمال کا دھڑکا تو ہے
ایک انسان بھی دُنیا میں سُبکدوش نہیں

بے دے زبان اور کوئی اِلتجا نہیں
سُن! مُدعا، بس اور کوئی مُدعا نہیں

کہہ لو کہ اُن کا راز ہوں میں رازداں نہیں
اتنی بڑی تو میرے بھی مُنہ میں زباں نہیں

مَر مِٹنے والے نام پہ تیرے کہاں نہیں
اللہ والے لوگوں سے خالی جہاں نہیں

نالے مِرے ہَوا یہ! دُعا شیخ کی قبول!
کیا اُس کے ہاتھ ہیں تو مجھے بھی زباں نہیں

دُنیا کے کاروبار سے کیا واسطہ مجھے
اے ہم نفس! یہاں ہوں مگر دل یہاں نہیں

اے یادِ رفتگاں، تجھے جنّت نصیب ہو
اب ہم میں قابلیتِ ضبطِ فغاں نہیں

یا یہ کہ، جھوٹ موٹ ہیں لوگوں کے اِلتفات
یا یہ کہ، اِک ہمیں پہ کوئی مہرباں نہیں

اِک عُمر جُستجوئے وفا میں گزر گئی
ہم جس کا نام سُنتے ہیں اُس کا نشاں نہیں

ہے دوست مہربان تو دشمن بھی مہرباں
وہ مہرباں نہیں تو کوئی مہرباں نہیں

تعریف اور پھر مرے پروردگار کی
مُنہ میں زباں نہیں، مرے مُنہ میں زباں نہیں

ناقدردانیوں سے نراسا نہ ہو صفیؔ
کوئی نہیں تو کیا، ترے اللہ میاں نہیں

یہ دِل آہ و زاری سے رُکتا نہیں
غلط ہے، گرجتا برستا نہیں

مَیں بُرے سے بُرا بھی ہوں لیکن
تم کو اپنے کہے کی لاج نہیں

آپ وہمی مجھے سمجھتے ہیں
وہم کا تو کوئی علاج نہیں

یہ کس مرض کی دوا ہیں بڑی بڑی آنکھیں
ہماری قدر تو کچھ بھی تری نظر میں نہیں

اے صفیؔ بے چین کیوں ہو اِس قدر
ٹکماری کے بیج تو کھائے نہیں

پیرِ مغاں جو تُو ہے سلامت تو کیا نہیں
ممنون ہوں ضرور مگر دِل بھرا نہیں

آزارِ عشق جائے یہ ممکن نہیں صفی
سب جانتے ہیں موت کی کوئی دوا نہیں

ذمہ داری دل کی لے کر عُمر بھر رونا نہیں
ہاتھ کا دینا مگر ضامن کبھی ہونا نہیں

ہر کسی کی ہے شکایت ہر کسی کا ہے گِلہ
اِک تمہیں اچھے ہو دُنیا میں کوئی اچھا نہیں

کیا تُجھی کو اے دلِ آشفتہ خوشحالی نہیں
فکر سے دُنیا میں کوئی آدمی خالی نہیں

کسی پر کروں غور کیا اے صفی
مجھے اپنے جھگڑوں سے فرصت نہیں

اُس کا گرویدہ ہے اُس کی شکل کا بھوکا ہے دِل
ایسا نادیدہ تو ہم نے آج تک دیکھا نہیں

نہ چھوڑو سلامت روی اے صفی
زمانے کی رفتار اچھی نہیں

سوچ لُوں تو دُوں ابھی خط کا جواب
سر کھجانے کی مجھے فُرصت نہیں

اے صفیؔ میری غزل سُن کے یہ ارشاد ہُوا
جھوٹ کہنے سے ترے مُنہ پہ ذرا نور نہیں

سب کو پسند کیوں ہو صفیؔ دِل کے آبلے
فولاد کے چنے ہیں کوئی دِل لگی نہیں

کیا کہیں آپ سے ہے حال صفیؔ کا کیسا
سانس پر آس ہے آثار تو جینے کے نہیں

کب ترے لب پر بھلا نالے نہیں
اے صفیؔ جینے کے یہ چالے نہیں

طالبِ قدر کیوں ہوے ہو صفیؔ
اِس سے نیچا کوئی مقام نہیں

دُنیا کے رہنے والوں پہ میرا بھرم کھُلے
ایسا گُناہگار خدایا نہیں ہوں میں

کیوں بارگاہِ عشق میں اتنا ذلیل ہوں
سرکار کے خلاف رعایا نہیں ہوں میں

ایسی ہی بے رُخی ہے تو آداب لیجیے
محفل میں بے بُلائے تو آیا نہیں ہوں میں

کیا ہوں جو اُن کا نقشِ پا ہُوں میں
ٹھوکروں میں پڑا ہُوں میں!

ایک نادان دوست کی خاطر
دشمنوں سے مِلا ہُوا ہُوں مَیں

گُھس رہی ہے خاک ہونے تک
خاک ہوتے ہی کیمیا ہُوں مَیں

مسلکِ عام سے جُدا ہُوں مَیں
کچھ تو رستے پر آگیا ہُوں مَیں

دلِ ناداں مجھے ہاتھوں میں لیے پھرتا ہے
اس مچلتے ہوئے بچّے کا کھلونا مَیں ہُوں

فتنے اُٹھیں گے، نہ اُٹھوایے لِلّٰہ مجھے
ہُوں تو در پہ ہی مگر آپ کا پردا مَیں ہُوں

دلِ مرحوم کے اوصافِ محبّت سُن لو
ایک مُردے پہ جو روتا ہے وہ زندا مَیں ہُوں

خاکساری تو صفی ہی کے لیے زیبا ہے
آپ لِلّٰہ نہ فرمایے ایسا مَیں ہُوں

بے غرض دُنیا میں جینا بھی ہے بدنامی کا گھر
لوگ مجھ کو یہ سمجھتے ہیں کہ مَیں مغرور ہُوں

دِل میں کچھ ہے زبان پر کچھ
مَیں اپنے لیے بھی دوسرا ہُوں

حُسن والو مجھے اللہ سلامت رکھے
جی بہلتا ہے تمہارا وہ تماشا ہیں ہُوں

تیرے غمزوں سے ہم ہوش و خرد کو ہار بیٹھے ہیں
بہت دِن سے کراماً کاتبین بیکار بیٹھے ہیں

میرے مالک کسی بندے سے کبھی کام نہ ڈال
ایک اِک کرکے سب احباب سرک جاتے ہیں

آپ کے دِل میں گھر صفیؔ کا کیوں
ایسے خانہ خراب ہوتے ہیں

آخر اُن سے مجھے لگا مارا
ہم نشیں بھی عجیب آدمی ہیں

اُن کے قدموں میں رہنے والے
دُنیا کو لات مارتے ہیں

سُنو اشعار تم، جب دِل صفیؔ صاحب کا جلتا ہے
کہ جتنی آگ لگتی ہے غزل خواں ہوتے جاتے ہیں

چار لوگوں کے دِکھانے کو تو اخلاق سے مل
اور کچھ بھی نہیں دُنیا میں بھرم دیکھتے ہیں

آپ سے کام کہیں رہیے، ہمیں ٹوہ سے کیا
ہم قدم دیکھتے ہیں، نقشِ قدم دیکھتے ہیں

شل ہوئے دستِ طلب، بھول گئے حرفِ سوال
آج ہم حوصلۂ اہلِ کرم دیکھتے ہیں

جگر کے داغ کب تک اور میں کیسا چھپاؤں گا
یہ انگارے "چراغِ زیرِ داماں" ہوتے جاتے ہیں

ترا کیسا، نہ دیں گے دھمکیاں ترکِ محبت میں
ڈراتے ہیں صفیؔ کو اپنے سائے سے جو ڈرتے ہیں

کسی کے دل سے ہم اترے تو سمجھو چڑھ بھی جائیں گے
کریں کیا فکر، دریا بھی تو چڑھتے ہیں اترتے ہیں

تجھ کو رہ رہ کے آزمانا کیسا
ہم تو تقدیر آزماتے ہیں

کون گائے تری غزل کو صفیؔ
جس کا کھاتے ہیں اس کی گاتے ہیں

مجھے وہ عیش میں بھولے ہیں کیا بساط مری
خوشی میں لوگ خدا کو بھی بھول جاتے ہیں

صفیؔ ہماری جگہ کیا ہے ان کی محفل میں
ہزار آتے ہیں ایسے ہزار جاتے ہیں

علاجِ دردِ دل کیا کر رہے ہیں
کیا ہے آپنے ہم بھر رہے ہیں

ہماری بے کسی پر ہنسنے والو
بُرے دِن عمر بھر کس پر رہے ہیں

خدا جانے صفیؔ منشا خدا کا
ہمارے کام تو ہم کر رہے ہیں

اُسے کیا رات دن جو طالبِ دیدار پھرتے ہیں
غرض ہے تو، غرض کے واسطے سو بار پھرتے ہیں

اِسے ہم مانتے ہیں، تُو زمانے بھر سے اچھا ہے
مگر اچھے بھی اپنے قول سے اے یار پھرتے ہیں

تمہیں افسوس کیوں ہے عاشقوں کی کوچہ گردی پر
پھراتا ہے مقدّر، یہ خدائی خوار پھرتے ہیں

وہ دِل کی آرزو اب ہے، نہ اُس کی جستجو اب ہے
ہمارے پاؤں میں چکّر ہے ہم بے کار پھرتے ہیں

کسی کافر کا گھر تھا یا نہیں معلوم جنّت تھی
ابھی تک میری آنکھوں میں در و دیوار پھرتے ہیں

صفیؔ کو تم نے تو کوئی بڑا پہنچا ہُوا سمجھا
ابھی رہنے بھی دو، ایسے بہت مکّار پھرتے ہیں

تیرے دیوانے کس سے ڈرتے ہیں
سب کی سُنتے ہیں اپنی کرتے ہیں

اب یہ سُوجھی ہے دِل کو یا وحشت
بیٹھے بیٹھے بھی پانو بھرتے ہیں

دوستوں سے تو ناک میں دم ہے
پُوچھتے ہیں کہ کِس پہ مرتے ہیں

چارہ سازوں سے بس خدا سمجھے
مرنے دیتے ہیں یہ نہ مرتے ہیں

عِشق میں جان بیچنے والے
سولہ سو کے ہزار کرتے ہیں

مجھ اکیلے کی رات کٹ جائے
یُوں تو باتوں میں دِن گزرتے ہیں

یہ پری زاد، پری چہرہ، پری وش فتنے
اپنی والی پہ جب آتے ہیں بلا ہوتے ہیں

جان کی پائے اماں تو یہ صفی عرض کرے
بے سبب بھی کبھی سرکار خفا ہوتے ہیں

سب تڑپتے ہیں بہ قدرِ خلشِ زخمِ جگر
حُسن کے حق نمک کس سے ادا ہوتے ہیں

جو اُن کا کان بھرتے ہیں ہمارا زخم کیوں بھرتے
مثل مشہور ہے سب لوگ بھرتوں ہی کو بھرتے ہیں

کہاں وہ درد جو ہوتا ہے اہل اللہ کے دِل میں
کہاں وہ نالہ جس سے عرش کے پائے اُدھڑتے ہیں

مزہ کیسا نہ دیں گی دھمکیاں ترکِ محبت کی
ڈراتے ہیں صفی کو اپنے سائے سے جو ڈرتے ہیں

ہائے اے رشکِ عدو تو کہیں غارت ہو جائے
رات بھر کیسے بُرے خواب نظر آتے ہیں

کسی کو کوئی کیا دے گا کسی سے کوئی کیا لے گا
صفی ہم تو حسابِ دوستاں در دِل سمجھتے ہیں

حکومت کے الفاظ لکھے ہیں ہم کو
یہ نامے ہیں یا نیم سرکاریاں ہیں

صفی اور دِل دے کسی آدمی کو
اجی سب یہ حضرت کی مکاریاں ہیں

صفی کو سمجھتے ہیں کیا آپ لوگ
یہ حضرت پرانے گنہگار ہیں

آپ کہتے ہیں کہ "مر جائے صفی غارت ہو"
لوگ اکثر اُسے جینے کی دُعا دیتے ہیں

ترا دیدار بعدِ مرگ ہوگا
مرے صدمے ابھی سے مر رہے ہیں

توکّل یا قناعت کرنے والے
ہمیشہ اپنی دالی پر رہے ہیں

رویا تو کرو صفی شبِ ہجر
اِتنا بھی جی کو مارتے ہیں

دِل جو دُکھّے تو جی نہ چھوڑ صفی
مَرد ہمّت سے کام لیتے ہیں

تذکرہ اُس کا کیوں نکالتے ہیں
لوگ جَلتے پہ تیل ڈالتے ہیں

خوشی سے کب وہ ہمارے مکاں میں رہتے ہیں
اگر مگر میں چُنیں و چُناں میں رہتے ہیں

اب کہیں حضرتِ دِل راستے میں آتے ہیں
پوت کے پالنے میں پاؤں نظر آتے ہیں

اے صفی کون علاجِ دلِ بے تاب کرے
تنگ آتے ہیں تو بیمار کو سم دیتے ہیں

صفی اِس اپنی شُد بُد پر ہی تم کو نازہے اِتنا
ذرا دُنیا میں دیکھو لوگ کیسے کیسے لایق ہیں

تم ہو اچھے تو اپنے گھر کے ہو
ہم بُرے ہیں تو اپنے گھر کے ہیں

سخن سنجوں کے دل میں بھی ذرا سا چور ہوتا ہے
یہ بنیئے کچھ نہ کچھ پاسنگ رکھتے ہیں ترازو میں

ذرا سی بھی کجی ہو نفس میں تو قہر ہی سمجھو
نہیں ہوتا ہے کچھ دو چار گز کا ڈنک بچھو میں

وہ آئے ہیں تو اب کچھ حضرت دل رنگ لائے ہیں
عجب آفت میں ہوں دشمن بغل میں، دوست پہلو میں

تری جھوٹی محبت رکھنے والا بھی نہیں ملتا
ہم اس کے ہاتھ کو بوسہ دیں، اس کے پانو کو چومیں

مجھے جس نے رلایا، اس کے میں قربان ہو جاؤں
لہو کی چھینٹ کیا پیاری نظر آتی ہے آنسو میں

عشق بازی ہے زندہ در گوری
موت سے پہلے مر چکا ہوں میں

طلب حق ہے، ایسے عجز کے ساتھ
جیسے خیرات مانگتا ہوں میں !!

دل میں جلوے نظریں انجمنیں ؛ ایک ہوں، اور جا بجا ہوں میں

لوگ کیوں دیکھتے ہیں رخ میرا ؛ چار دن کی اگر ہوا ہوں میں

پیار سے آ آ کے چڑاتا ہے اپنے پہ ؛ وہ مرے جیسے ہی گیا ہوں میں

یاد فرما کے وہ تو بھول گئے ؛ سر جھکائے کھڑا ہوں میں

مجھ سے ان کا پتہ چلاتے ہیں ؛ آدمی ہوں کہ نقشِ پا ہوں میں

اس نے مجھے جواب دیا ہاتھ جوڑ کر
شوخی کا میل خوب کیا انکسار میں

صیاد نے اشارہ کیا میں سمجھ گیا
باتیں پکار کر نہیں کرتے شکار میں

کبھی دعوے پہ سر نیوڑا کے وہ یوں مسکرائے ہیں
جو ناواقف سمجھے کچھ فتور آیا ہے نیت میں

کچھ دنوں سے دل ذرا کر اور ضبط
بات رہ جائے ہماری پیار میں

نہ گذری محبت میں عزت کے ساتھ
بُرے کا کوئی ساتھ دیتا نہیں

کہاں نشۂ وصل سچ ہے مصحفی
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

کیا خاک پھر کسی کی نظر میں سماؤں گا
جب آپ کی نظر میں سمایا نہیں ہوں میں

بات سمجھیں نہ بات کو سوچیں
آپ تو بس اگر مگر کے ہیں

اُن کی باتوں کا پوچھنا کیا ہے
میری ہر بات بھول جاتے ہیں

جو مئے خانے سے مئے آشام پی پی کر نکلتے ہیں
تو ساری پوتیاں کھلتی ہیں سب جوہر نکلتے ہیں

پورا کرنا نہ کرنا وعدہ کا ہیں ترے اختیار کی باتیں

یہ پابندِ اقرار ہونے کا مُنہ یہ وعدے میں پورے اترنے کے دن

میں گروں ایسے گڑھے میں دیدہ و دانستہ کیوں
جس طرف جانا نہ ہو پوچھے کوئی وہ رستہ کیوں

وہ کہہ رہے ہیں کچھ تو کہو اپنا مُدعا
میں ہوں کھڑا ہوا اسی حیرت میں کیا کہوں

[illegible]

ہر شعر تیر بن کے نکلتا نہیں صفی
اگلی سی اب چڑھی ہوئی میری کماں کہاں

مجھ کو خاطر میں نہ لا، خیر یہ انصاف تو کر
میں ترا رتبہ تری شان کہاں سے لاؤں

دوست دشمن پہ برابر کی پڑی جاتی ہیں
ان نگاہوں کے نگہبان کہاں سے لاؤں

صفی وہ تو نہ آئے تھے، نہ آئے ہیں، نہ آئیں گے
یہ کس کو ڈھونڈتی پھرتی ہے پھر اپنی نظر گھر میں

رکتا ہوں کس کے روکے سے اب کی بہار میں
بارہ مہینے کاٹ دئیے انتظار میں

آپ کیوں مجھ پہ عنایت کی نظر رکھتے ہیں :: انہی آنکھوں کی بھی اغیار خبر رکھتے ہیں

تیرے قربان تیری محفل میں :: دوستی منہ پہ دشمنی دل میں

تذکرہ اس کا کیوں نکالتے ہیں :: لوگ جلتے پہ تیل ڈالتے ہیں

اے صفی ان کی دشمنی کے نثار :: لوگ میری نظیر دیتے ہیں

و

خدا نے دی ہیں آنکھیں دیکھنے ہی کو مگر دیکھو
ذرا کھوٹا کھرا پرکھو، ذرا عیب و ہنر دیکھو

اُسے دیکھا ہے جس کے دیکھنے کو لوگ مرتے ہیں
نظر بازو ہماری بھی ذرا حدِّ نظر دیکھو

نباہی اور پھر کیسی نباہی آج تک ہم نے
ذرا انصاف سے تم اپنے دل میں سوچ کر دیکھو

نہ دیکھو دوست بن کر تم تو دشمن کی نظر دیکھو
خفا ہوکر، بگڑ کر، روٹھ کر دیکھو، مگر دیکھو

نہیں بھرتی طبیعت، لاکھ دیکھو، عمر بھر دیکھو
خدا کی شان ہے ایسے بھی ہوتے ہیں بشر دیکھو

یہ بھولی صورتیں تو دل میں رکھ لینے کی ہوتی ہیں
مگر کیا سخت ہوتا ہے حسینوں کا جگر دیکھو

مجھے جب دیکھتے ہو، شکل کیا بنتی ہے دشمن کی
کن انکھیوں سے کبھی اک بار تم ان کی نظر دیکھو

صفی کو شاعری سے مل گئی ہر دلعزیزی بھی
دروغِ مصلحت آمیز بھی ہے کیا ہنر دیکھو

وہ ہم سے خفا اور پھر اِس طرح خفا ہو
اللہ بُرا چاہنے والوں کا بُرا ہو!

کانٹے تو مرے حق میں بہت بوئے عدو نے
ایسا تو نہ ہو خود ہی کہیں آبلہ پا ہو

مارو جسے تم چاہو، جسے چاہو جلا دو
کہتا ہو کوئی جھوٹ تو ہوں اُس کے خدا دو

وہ آپ کی صورت کو سراپاس سے تکنا
وہ آپ کا کہنا "اِسے محفل سے اُٹھا دو"

یہ ظلم بھی سہہ سہہ کے دُعا دیتے ہیں تم کو
اللہ رکھے، چاہنے والوں کو دُعا دو

دیکھا اُسے آنکھوں نے تو دِل کو ہوئی تسکیں
ہاں سچ ہے صفی ایک کی دُنیا میں دوا دو

ہم سے تو اُس کے واسطے بھی بد دُعا نہ ہو
دشمن بُرا سہی، مگر اُس کا بُرا نہ ہو

وہ مجھ سے رُوٹھ جاتے الٰہی جُدا نہ ہو
بے آس ہو تو ہو، کوئی بے آسرا نہ ہو

عاشقوں میں بیٹھ کر وہ عاشقی کرنے لگے
واہ کیا ثابت کیا ماحول کی تاثیر کو

کھڑے ہو تو ہٹو، بیٹھو تو سر کو
سلام، اُس انجمن آرا کے گھر کو

وہ آنے کا کبھی وعدہ جو کر لے
تو میں پلکوں سے جھاڑوں رہ گزر کو

صفیؔ اُس نے ہمارا ساتھ چھوڑا!
نصیحت ہو گئی اب عُمر بھر کو

ہم نشینو آس کیا تم سے جو کوئی کام ہو
مشوروں ہی مشوروں میں صبح کی جب شام ہو

زہر کھائے آپ کا عاشق بڑا افسوس ہے
ایسے اچھے کام کا ایسا بُرا انجام ہو

آفریں اے کان کے کچّے ذرا یہ تو سمجھ!
ہم بھلا ایسا بھی چاہیں گے کہ تو بدنام ہو

شرم کی کیا بات ہے ہاں پھر ذرا فرمایئے
ہم ہیں آدھی رات کو حاضر اگر کچھ کام ہو

آسماں سے بھی گزر جائیں مرے نالے مگر
کون چاہے گا کہ اپنا راز طشت از بام ہو

سبب تکلیف کا گنتا ہے سرد و گرم دوراں کو
کسی پہلو نہیں ہے چین، اِس بے صبر انساں کو

صفیؔ کو تم کسی بے لاگ سے پوچھو قسم دے کر
کہ ہندو کو دھرم، ایمان پیارا ہے مسلماں کو

اے صفیؔ رو کے کیا ڈراتے ہو
گرم پانی سے گھر جلاتے ہو

میرے سارے دوست ہی معشوق ہیں گویا صفیؔ
رُوٹھ جاتے ہیں وہ فرمائش اگر پوری نہ ہو

توبہ کرو انسان کو اتنا غُصّہ
پانی پیو، شیطان پہ لاحول پڑھو

رہ رہ کے قبر میں بھی تو اُکتا گیا ہے دل
آتا ہے فاتحہ کو نہ کوئی دُرود کو

حسیں ہو، مہ جبیں ہو، نازنیں ہو
مگر تم قول کے سچے نہیں ہو
خوشامد، چاپلوسی، جبر سب کچھ کر کے بھر پایا
تم اپنے فعل کے مختار ہو، اب جاؤ یا بیٹھو!

صفیؔ تو دوستوں سے کیوں لیا کرتا ہے وحشت کی
ارے ہم تجھ کو چاہیں اور تو جنگل کے جھاڑوں کو

کیا جانے صفیؔ کون سی مٹی سے بنا ہے
ہنستا کبھی دیکھا نہیں اس مردِ خدا کو

تمہاری نذر ہے دل کی اگر ضرورت ہو
وہ کون شخص ہے حاضر میں جس کو حجت ہو

ہم اب سے آسماں کو راز دار اپنا بنالیں گے
بڑوں کا قول ہے جو ہم نشیں ہو سن رسیدہ ہو

جو نہ رکھتا ہو اپنی ذاتی رائے
ایسے انساں کو بیچ اُدھر سمجھو

دل اور دل میں درد نہ ہو ہائے دوستو
کیا ہوگیا ہے بھلا کچھ اپنی دوا کرو

دل لے کے زندہ چھوڑ دیا کیا غضب کیا
میری قسم بس اور ذرا دل کڑا کرو

ہم کو شک میں ڈال دیتی ہے صفی کی بول چال
دوستو! تحقیق کرنا، یہ اُدھر والا نہ ہو

وہ بھی آجائیں گے، لیکن موت مجھ کو آئے تو
کام بن جائے گا، شاید جان پر بن جائے تو

جس طرح دردِ دل نے صفی سے کیا سلوک
کوئی شریف آدمی یوں دربدر نہ ہو

ھ

اُس نے کچھ پُوچھا تو ہم کو شرم رہی یا طیش رہا
یا تو مُنہ سے کچھ بھی نہ نِکلا، نِکلا بھی تو کچھ کا کچھ

عِشق سمجھ سے بالاتر ہے اس میں سمجھ کا کام نہیں
ایسا ویسا کیسا سمجھا ایسا کچھ نہ ویسا کچھ!

ہر قوت کا زور جو ٹُوٹا، تھوڑا سا آرام مِلا
دُنیا کے قابل نہ رہے تو سمجھ میں آئی دُنیا کچھ

بندے سے کھینچ، آگے خدا کے پسار ہاتھ
بندے کے دو ہیں اور خدا کے ہزار ہاتھ

جی باغ باغ ہو، کوئی ایسی دَوا کرو
دینار لالہ وگُل و نرگس سے فائدہ

کیوں تاڑ نہ لے کوئی نہ کیوں بات بگڑ جائے
چالاک ہیں ہم بھی تو ضرورت سے زیادہ

آنکھوں پہ بھروسہ ہے تو پھر اپنی ہوا باندھ
دنیا پہ نظر ڈال، نہ دُنیا کی ہوا دیکھ

ہر جلوہ پرائی آگ میں پڑ
طُور سا ہے دل وجگر تو دیکھ

نہ ہوں مایوس دیکھنے والے
دیدبازوں کو آنکھ بھر تو دیکھ

شوقِ خود بینی تمہیں ہے اُس کو لپکا دید کا
تم سوا ہو آئینے سے تم سے بڑھ کر آئینہ

مَیں اور بے وفائی کروں رنج و غم کے ساتھ
جب تک کے دَم میں دَم ہے یہ ہیں میرے دَم کے ساتھ

او خویشتن گُم است کرا، رہبری کُند
مُفلس کو کیا صفی، کسی مُفلس سے فائدہ

کروں کیوں شاعری میں کیوں بنوں گُم راہ دیوانہ
پرائے گھر کی شادی اور عبداللہ دیوانہ

مِلتا ہے مزا، تیری قسم اور زیادہ
ہاں اور زیادہ ہو سِتم اور زیادہ

کیا بات ہے یہ حسرتِ دیدار بھی نکلی
اللہ نہ کھُل جائے بھرم اور زیادہ

ہم تو نگاہِ ناز کے قربان ہو گئے
دشمن اُٹھائیں گے تری مجلس سے فائدہ

اب وہ دَوا ہمارے لیے زہر ہو گئی
اگلے دِنوں میں سب کو ہوا جس سے فائدہ

اب وہ دَوا ہمارے لیے زہر ہوگئی
اگلے دِنوں میں سب کو ہوا جس سے فائدہ

لے کام اپنی زندگیٔ مُستعار سے
بے فائدہ کی چیز اُٹھا اس سے فائدہ

دِل کو کیوں اس سے بھلا شوقِ ملاقات ہے یہ
کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا بات ہے یہ

یہ جو اغیار کی دو ٹوک ہوئی آپس میں
کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کیا بات ہے یہ

آپ بہبودِ عملی کو بتاتے ہیں صفی
جانتا ہوں میں بڑا رندِ خرابات ہے یہ

ہر آدمی کو اُس کے خلاف آزما کے دیکھ
دشمن کو دوست، دوست کو دشمن بنا کے دیکھ

ہے گردش میں کچھ میرے مقدر میں کچھ
گھڑی بھر میں کچھ ہوں گھڑی بھر میں کچھ

آپ اپنی طرف ذرا دیکھیں
بن گئی ہے لڑائی کا گھر آنکھ

بندے سے کھینچ، آ گئے خدا کے پسار ہاتھ
بندے کے دو ہیں اور خدا کے ہزار ہاتھ

ہوتا ہے ترا ہر کس و ناکس سے گِلہ دیکھ
نا اہلوں سے اخلاص جتلانے کا مزا دیکھ

صرف اپنے لیے جہد و بقا خود غرضی ہے
اَسلاف کی توہین نہ کر، سب کی بقا دیکھ

مُجھ ایسے دُکھے دِل کو بھلا ضبط کی تاکید
اے چارہ گرِ عشق! مرض دیکھ، دَوا دیکھ

سب میں آئینہ دیکھنے
آگے پیچھے اِدھر اُدھر تو

کِس کو مہمان کر رہا ہے صفیؔ
خود کو دیکھ اور اپنا گھر تو دیکھ

مَیں اور بے وفائی کروں رنج و غم کے ساتھ
جب تک کہ دَم میں دَم ہے، یہ ہیں میرے دَم کے ساتھ

کِتنوں کا خُون کر چکے، اللہ کو خبر
مہندی بغیر آپ کے یہ لال لال ہاتھ

ذرا بے وقت کھٹکاتی، اگر زنجیرِ میخانہ
تو ایسی برہمی، یہ بے رُخی، اے پیرِ میخانہ

یہ اُستادی ہے شاگرد کا اُستاد کیا جانے
صفیؔ آساں نہیں ہے دوسروں کے مال پر قبضہ

ی

عاشقی سے دِل کی دُنیا پر تباہی آگئی
دِل ہی دُنیا تھی ہماری دِل گیا دُنیا گئی

آمد و رفتِ نفس ہی پر ہے دُنیا کا مدار
دَم کا سارا کھیل سمجھو دَم گیا دُنیا گئی

آپ بے دل ہوں تو پھر عاشق کے دل میں دل کہاں
آپ اگر خوش ہوں تو اس کی جان میں جان آگئی

مِل بھی جا اے منزلِ مقصود، کچھ تو رحم کر
اب تو ہمّت ڈھونڈنے والوں کی ٹھسّی کھا گئی

اک صفی کی آہ نے ہنگامہ برپا کر دیا
دِل جلے کی چیخ تیری بزم کو گرما گئی

یاری غرض کی اور ہے مطلب کی دوستی
بیٹھے ہیں دیکھ دیکھ کے ہم سب کی دوستی

بات رکھ لے اپنی اے جوشِ جنوں
چارہ گر خوش ہے کہ رگ پہچان لی

کوچہ گردی کا نہ پایا کچھ علاج
خاکِ دُنیا کی صفی نے چھان لی

بے وفا آنکھیں بدل دیں تُو نے طوطے کی طرح
دِل کی کیا پروا ہے لیکن تیری نیت دیکھ لی

پھر صفی صاحب وہیں پر پاؤں پھیلانے لگے
جس جگہ اِک آدھ بھی اچھی سی صورت دیکھ لی

وہ بگڑے تھے دشمن سے مجھ سے لڑے
کدھر ہونے والی کِدھر ہو گئی

نہ آئے ہمیں آج تک داؤ پیچ
صفی اپنی یُونہی بسر ہو گئی

جاڑوں کی چاندنی کی طرح ہیچ ہے صفی
مُفلس کا عِشق اور جوانی غریب کی

فکرِ بُتاں نہ ذکرِ خدا جن کو ہے صفی
ایسوں نے شاعری کی بھی مٹی خراب کی

آدمی کی تجھے پہچان نہیں ہے ظالم
ہم تو کرتے ہیں ترے مُنہ پہ شکایت تیری

باتیں نہ بنا ترے تصدّق
آنکھوں میں ہے نیند رات بھر کی

بحثا بھی اور پھر اُن سے
اللہ ری زبان ہاتھ بھر کی

یہی آنکھیں، یہی دل ہے تو بس اللہ حافظ ہے
نہیں معلوم کیا ترکیب ہے دُنیا میں جینے کی

شکایت پر وہ کیا شرمائے مجھ کو اور پیار آیا
قیامت ڈھا گئیں ماتھے پہ کچھ بُوندیں پسینے کی

بجا جو صدمۂ فرقت سے ہیں تو وہ تلاشی ھیں
کہ اُس کے آگے آئی، اس کی ایسی کونسی نیکی

ہُوا ہوں جب سے مُفلس اپنے آنسو آپ پیتا ہوں
کروں کیا اے صفی عادت بُری ہوتی ہے پینے کی

اسے دیکھا ہے جس انداز میں اللہ شاہد ہے
بلائیں خود مجھے لینی پڑیں اپنی نگاہوں کی

پرستش سے زیادہ ناز برداری گواہوں کی
گنہگاروں کی یہ توہین توبہ ہے گُناہوں کی

الٰہی! بند مُٹھی کا بھرم رکھ لے قیامت میں
نہ کھُلوا دشمنوں کے سامنے گٹھڑی گناہوں کی

کیا بدظن اُسے اب اور میرے دوست کیا کرتے
چلی وہ چال، راہیں بند کر دیں آنے جانے کی

گنہگاروں کے چہرے پر بھی کیسا خون دوڑ آیا
ترے جلوے نے صُورت ہی بدل دی رُوسیاہوں کی

صفی اپنی زباں روکو زمانے کی شکایت سے
بگڑتی جا رہی ہے دن بدن حالت زمانے کی

جنھیں عادت تھی میرے پاس دن کو رات کرنے کی
انھیں کو اب نہیں فرصت برابر بات کرنے کی

ہونٹ بھی سی ڈال اتنی بات بھی باقی نہ رکھ
کیا بتاؤں کس لیے، کس کے لیے فریاد کی

بات تو کرنے نہیں دیتا بھلا شکوہ کہاں
کیسے چلتی ہے زباں قینچی سی اس طرار کی

تا کجا طولِ امل، حد بھی کوئی لمبان کی
میری ہر امید گویا آنت ہے شیطان کی

کر نہ فکرِ انبساط اپنے دلِ غمناک کی
بند مٹھی لاکھ کی ہے، کھل گئی تو خاک کی

ہائے کیا بھولا تھا دنیا کب جگہ تھی سیر کی
جلد آنکھیں ڈھانپ لیں میرے خدا نے خیر کی

بس بس یہ سب چُناں وچُنیں چھوڑ اے صفی
دل صاف رکھ، کہاں کی صفائی زبان کی

ملنے والے جو ہو گئے [illegible]
غلطی کس کی ہے؟ آپ کی یا میری

میرے مُنہ پر میری تعریف جو کرتے تھے صفیؔ
پیٹھ پیچھے وہی کرتے تھے شکایت میری

ان کی خاطر کبھی ہنسا بھی تو کیا
بزم میں اُڑ گئی ہنسی میری

اُس کی دُنیا نہ پُوچھ اے ہمدم
جس نے دُنیا اُجاڑ دی میری

وہاں جب تک بھی تھا، خود اختیاری تھی کہاں میری
رہا یُوں جس طرح بتیس دانتوں میں زباں میری

وہی ہر آرزو کو جان کر انجان بنتے ہیں
خدا اُن سے سمجھ لے جو سمجھتے ہیں زباں میری

شریکِ بزم آخر اِک مجھی کو کیوں نہیں کرتا
تری اِک بات بھی کاٹوں تو کٹ جائے زباں میری

جفا کا درد، پامالی وفا کی، کوئی کیا سمجھے
صفیؔ سمجھوں گا میں محنت گئی ہے رائیگاں میری

کہاں کے لالہ و گُل تنکے تنکے کو ترستا ہوں
مجھے دیکھو کہ آئی ہے بہاروں میں خزاں میری

ہوا ہی باغ کی بگڑی، بگڑتا وقت جب آیا
خبر دینے لگا ہل ہل کے میرا آشیاں، میری

کسی کی عاجزی پھر کیوں کروں جو دل پہ قابو ہو
کسی کی کیوں سنوں، سن لیں اگر اللہ میاں میری

دل کے معاملے تو یہ ایک ہی ہوئی
جو چیز ہاتھ پڑ گئی وہ آپ کی ہوئی

طعنے سُنے رقیب کے، کیوں اب تو مان لو
آخر کو پیش آئی ہماری کہی ہوئی

پھر تازہ رنج پہنچا، پھر تازہ آفت آئی
جاتی نہیں الٰہی تقدیر کی بُرائی

یہ بھی سمجھ چکا تھا سب کوششیں عبث ہیں
جب دل میں میل آیا کیا خاک پھر صفائی

دِل بھی صفی ہے اپنا، ہونٹ اپنے دانت اپنے
کس کی کریں مذمّت، کس کی کریں بُرائی

ہم سے مِلتا ہی کیا کسی کا دِل
چار دن کی تو زندگانی تھی

مُراد اپنی جب ہم نے پائی نہ ہوگی
تو کیا کیا بدی دِل میں آئی نہ ہوگی

اب اُس کے در سے اُٹھ کے کہاں جائیں ہم نشیں
تھوڑی سی رہ گئی ہے، بہت سی گزر گئی

یہ کس کو خبر تھی کہ کریں گے مجھے رُسوا
یاروں سے کوئی بات چھپائی نہیں جاتی

تم نے کیسی مزاج پُرسی کی
غیر کی آئی ٹل گئی کیسی

سانس ہے تو فغاں کی دُھن بھی ہے
بانس ٹوٹا تو بانسری کیسی

خالی خولی مجھ سے لڑتا ہے ستمگر کیا کہوں
اے صفی مَیں نے نکالا مُنہ سے اِلّا اللہ بھی

حالِ دل کیا پُوچھتے ہو جاؤ بھی
مَیں نہیں اب پاؤں میں کا پاؤ بھی

آپ اپنی یاد دِل سے ہمارے نکال دیں
کل کو خدا نخواستہ نیکی بدی ہوی

آنکھوں آنکھوں میں دِل لیا اُس نے
کانوں کانوں مجھے خبر نہ ہوی

اور کیا کام آپ سے ہوگا
کُھل کے جب بات بھی نہیں ہوتی

چاہنے والے جان دیتے ہیں
مُفت میں عاشقی نہیں ہوتی

مُردہ دِل ہو گئے صفیؔ صاحب
ان سے اب شاعری نہیں ہوتی

شاعری نے یہ پیچ ڈالے ہیں
زُلف زنجیر ہو نہیں سکتی

خیر ہوئی وہ یا تو دشمن تھے ہمارے نام کے
یا تو یہ تانتا بندھا ہے آدمی پر آدمی

اُن کا نظّارہ ہے یا رب یا یہ کوئی لُوٹ ہے
کیوں گرے پڑتے ہیں ایسے آدمی پر آدمی

اے صفیؔ اُس وقت کا اِسلام کیا اِسلام تھا
سیکڑوں لاکھوں پہ بھاری تھے بہتّر آدمی

اِس بُلاوے میں کوئی فی تو نہیں ہے اے صفیؔ
آرہا ہے آج اُن کا آدمی پر آدمی!

سُن لیا ہے کہ وہاں سب کو ملیں گی حوریں
وہ دُعا کرتے ہیں جنّت میں نہ جائے کوئی

تجھ پہ بستی ہی نہیں وقت بُری شے ہے صفیؔ
کام آتے ہی نہیں اپنے پرائے کوئی

کہیں یہ تم کس رہے تھے کل زعم سے
اور کیا؛ مجھ سے چھیڑ خانی تھی

رُخِ حبیب سے ہٹ کر جو شوئے طور گئی
نگاہِ حضرتِ موسٰی کی بات دُور گئی

نویدِ وصل کے سُنتے ہی سکتہ ہو گیا مجھ کو
صفی مارے خوشی کے بات بھی مُنہ سے کہاں نکلی

اگر ہو نہ افسوس میں کچھ مزہ
تو ہاتھ پھر کیوں ملے آدمی

جب کسی کے دِل میں گھر ہوگا تو ہم پائیں گے چین
اے صفی ایسا نہ ہو تو خانہ بر دوشی سہی

کراماً کاتبین بس کیا بنے کندھوں پہ چڑھ بیٹھے
فرشتوں کا کھلونا بن گئی تصویر مٹی کی

کچھ نہ کچھ تو کر کہ بے کاری سے بیگاری بھلی
گر نہ ہو عشق و وفا تجھ سے جفا کوشی سہی

اُس کو عُشّاق کی تمیز ہوئی
آج محنت ہماری چیز ہوئی

مُشکل سے کیوں نہ ہو گی صفی کی گزر بسر
شاعر بھی ہے غریب، ندامت پسند بھی

غیر کو چاہا سو چاہا، اِس پہ ایسی شوخیاں
مُکر نہ شُد دو شُد، ہمارے قول کی تردید کی

ذرا آواز سے لی سانس تو دے دی مجھے گھُر کی
گوارا ہو اُنھیں، آواز کیا؟ بے تال بے سُر کی

خدا کی شان ہے اب نام سے گالی نکلتی ہے،
کبھی میری دُعا پر آپ کی آمین ہوتی تھی

بے توقع سامنے جب تیری صورت آ گئی
دِل میں آئی جان، آنکھوں میں طراوت آگئی

مُشکل ہے روک آہِ دلِ داغ دار کی
کہتے ہیں سو سُنار کی اور اِک لہار کی

اُمید نکلے کیسا دلِ اُمیدوار کی
کہتے ہیں بوجھ ایک کا' لاٹھی ہے چار کی

اے صفیؔ عاشقی میں یہ ذِلّت
تُو نے کوئی مُراد مانی تھی!

اے صفیؔ وہ بِگڑ گئے مَن کر!
تیری قسمت کو کیا کہے کوئی

پہلو ہزار ہم نے کیے گرچہ اختیار
لیکن جو اس کے دِل میں ٹھنی تھی ٹھنی رہی

وہ جس بات پر اَڑ گیا اَڑ گیا
ہُٹیلا ہے جو ٹھان لی ٹھان لی

سے

ادا پیدا نظر سے، شان رُخ سے، آن تیور سے
ترے قربان آخر دل ہے کس کس کے لیے ترسے

نہ ہو جب عشق تو آنسو نہ نکلیں دیدۂ تر سے
بہت نقصان ہے پانی سے، بے موسم اگر برسے

گھٹا گھنگور چھائے، خوب گرجے، ٹوٹ کر برسے
ہرے اللہ وہ جانے نہ پائیں اب مرے گھر سے

ملنساری بھی سیکھو، جب نگاہِ ناز پانی ہے
مری جاں آدمی اخلاق سے، تلوار جوہر سے

پرستش جرم ہے تو جرم اپنا بخشوا لیں گے
تری دہلیز کے سجدے کریں گے پھر نئے سر سے

بناوٹ ہو تو ایسی ہو کہ جس سے سادگی ٹپکے
زیادہ ہو تو اصلی حسن چھپ جاتا ہے زیور سے

کھلی جب آنکھ ہم نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی ہے
خدا کا نام لے کر لوگ اٹھا کرتے ہیں بستر سے

خدا نے کیا حسینوں کو کرامت بھی عطا کی ہے
یہ ظالم تاڑ ہی لیتے ہیں دل کی بات تیور سے

اطاعت وہ ہے جو حیوان کو انساں بناتی ہے
لیا ہے نامہ بر کا کام لوگوں نے کبوتر سے

اے ناداں سچا چاہنے والا نہیں ملتا
وہ لیلیٰ تھی کہ جس کو مل گیا مجنوں مقدر سے

ہمیں معشوق کو اپنا بنانا تک نہیں آتا
بنانے والے آئینہ بنا لیتے ہیں پتھر سے

صفی استاد کا اور باپ کا رتبہ برابر ہے
مرے کیا حضرتِ کیفی کہ سایہ اُٹھ گیا سر سے

○

طبیعت بجھ گئی جب سے ترے دیدار کو ترسے
اگر اب نیند آتی ہے تو اُٹھ جاتے ہیں بستر سے

رہے دُنیا میں لیکن دو گھڑی آرام کو ترسے
ذرا سا عیش بھی ہم نے نہ پایا اس بڑے گھر سے

اثر رہتا تو ہے کچھ دیر ناصح کی نصیحت کا
مگر کیا فائدہ جیسے کے ویسے پھر گھڑی بھر سے

گھڑی بھر کی ہے ناچاقی نہ جا رندوں میں اے ساقی
ذرا ہوش آگیا تو ایک ہیں یہ سب گھڑی بھر سے

زباں سے آہ نکلی، دل سے نالہ، آنکھ سے آنسو
مگر اک تیری دُھن ہے جو نکلتی ہی نہیں سر سے

پلٹ کر دیکھ لے اے بے مروّت کیا قیامت ہے
یہ چپکے سے نکل جانا ترا میرے برابر سے

الٰہی! صورِ اسرافیل کی ہیجخ کیوں لگائی ہے
قیامت میرے نالوں سے اُٹھے یا اُن کی ٹھوکر سے

ابھی تک تو یہی ہے جان جائے آن رہ جائے
نہیں معلوم پھر کیا ہونے والا ہے گھڑی بھر سے

کیا دیوانہ جس نے اُس کی دیوانی رہے دنیا
مجھے جس نے نکلوایا ہے گھر سے، خوش رہے گھر سے

وہ چھپّر پھاڑ کر دیتا ہے سنتے ہیں، تو کب دے گا
جب آنکھیں لگ گئیں چھت سے تو کیا اُمید چھپّر سے

مرا جی سیر ہے ذوقِ محبت سے، ترا صدقہ
دُعا مانگوں تو دونوں ہاتھ کچلے جائیں پتھر سے

کسی کا وعدہ اور آنا کسی کا، پھر سمجھ اپنی
ہوا سے کیا لڑیں آواز دروازے نے دی چرّ سے

صفیؔ کو مُسکرا کر دیکھ لو، غُصّہ سے کیا حاصل
اُسے تم زہر کیوں دیتے ہو جو مرتا ہے شکّر سے

کہیں معشوق مِلتا ہے کسی کو زور سے زر سے
زلیخا کو مِلے تھے حضرت یُوسفؑ مقدّر سے

ہم اپنا حالِ دِل کیوں کر چھپائیں اس ستم گر سے
رہیں خاموش تو چوری پکڑ لیتا ہے تیور سے

کہا کرتی ہے دُنیا، دوست مِلتا ہے مقدّر سے
مقدّر ہی اگر دُشمن ہوا تو عُمر بھر تر سے

ہمیں دَرد و اَلم کم ہی مِلے ہوں گے مقدّر سے
مگر پھر بھی بہت روئے، بہت تڑپے بہت تَرسے

گرجتا سو برستا ہی نہیں، یہ سُنتے آئے ہیں
وہ ایسے بھر کے آئے تھے، بہت گرجے، بہت برسے

نہ دیکھو کچھ تم اپنے مانگنے والے کا دِل دیکھو
اسی جھولی میں ہے جو کچھ مِلا ہے جار کے گھر سے

جھجک ایسی حجاب ایسا، یہاں تو مَیں اکیلا ہوں
کہاں بھاگو گے تم ہٹ کا منہ میدانِ محشر سے

گئے تاب و تواں تو دستگیری کی تصوّر نے
اپاہج ہو گئے رُتبہ بڑھ گیا چلنے لگے سَر سے

جگر کا درد، دِل کی ٹیس، دونوں دیکھے بھالے ہیں
الٰہی ان کی خاطر تو نہ اُٹھوا مجھ کو بستر سے

عدو کا خط کبھی سر پر، کبھی آنکھوں پہ رکھتے ہو
لکھا ہے اُس نے ایسا کیا تمہیں سُرخاب کے پر سے

کسی کا خط کہاں یہ ہم نے بے پر کی اُڑائی تھی
مگر لوگوں کو دیکھو چھُٹ گئے دل ہیں کبوتر سے

طبیعت ہم نے اپنی پھیر لی تو اُن کا کیا بگڑا
بڑے غصّے میں ہیں جیسے خزانہ دے دیا گھر سے

بہار آئے تو یا رب ہر گلی گُلزار ہو جائے
بڑی حسرت میں گزری اب کے اِک اِک پھول کو ترسے

یہاں تک تو ذرا تکلیف کیجے حضرتِ ناصح
یہ سچ ہے آدمی کے واسطے کیوں آدمی ترسے

تمہارے ظُلم سہتے ہیں تو ہم کو لوگ کہتے ہیں
خدا نے سب کو مٹّی سے بنایا اس کو پتھر سے

خدا کی راہ میں دِل کو بھی دے ڈالوں مگر ڈر ہے
یہاں دھن ہے مجھے پالا پڑے عقبیٰ میں تجھ سے

کسی کا رزق رُک سکتا نہیں خلّاقِ اکبر سے
صفی پتھر کے کیڑے کو غذا ملتی ہے پتھر سے

نہ دو طعنے، محبّت کیا نہیں ہوتی ہے پتھّر سے
ابھی یہ جان دُوں پتھر پہ یہ جوبن اگر برسے

خزاں میں پھول دیکھے، آہ نکلی قلبِ مضطر سے
بہت جلدی اُتر جاتا ہے نشّہ حُسن کا سر سے

بھلا وہ خواب میں تشریف لاتے، شاد فرماتے
جگانا تھا فقط اِک چین سے سوتے کو بستر سے

بڑے بھولے ہیں سُن کر نام بھی مجھ کو پہچانا
کبھی پہچانتے تھے آپ دِل کی بات تیور سے

تڑپتے لوٹتے رہتے تھے لیکن گھر میں رہتے تھے
یہ چکّر پاؤں کا تو بڑھ گیا قسمت کے چکّر سے

وہی ہم ہیں کہ دَر دَر آج مارے مارے پھرتے ہیں
یہی ہم تھے، قدم باہر نہ رکھتے تھے، کبھی گھر سے

اگر منظورِ خاطر سختیاں ہی جھیلنی ہوتیں
تمہارے بدلے کرتے دوستی ہم ایک پتھر سے

یہ جیسی خود ہے ویسا دوسرے کو بھی سمجھتی ہے
بدل دی ہم نے اپنی طرز بھی مخلوق کے ڈر سے

زمانے میں کسی کی سخت باتیں کون سُنتا ہے
جہاں پہنچے جواب اُن کو مِلا پتھر کا پتھر سے

مجھے پھر یاد کیجے، شائد اِتنا یاد آجائے
کوئی سو بار خالی پھر گیا تھا آپ کے دَر سے

زیادہ غم کا کھانا میرے حق میں زہر ہی ٹھہرا
گرے ہیں کیسے نیلے پیلے آنسو دیدۂ تر سے

صفیؔ ہر آدمی قسمت کا اچھا ہو نہیں سکتا
مقدّر بھی جو مِلتا ہے تو مِلتا ہے مقدّر سے

صفیؔ کا ذوق ہر حالت میں اُس کا ساتھ دیتا ہے
شکر خورے کا مُنہ اللہ بھر دیتا ہے شکّر سے

نہ لینا اِک نہ دینا دو، سرِ بازار لوگوں سے
ہمارا دِل ہے، گاہک آپ ہیں تکرار لوگوں سے

کِس نے پھل پایا نہالِ آرزو سے آج تک
کوئی کیا سمجھائے گا، واقف ہوں جڑ بنیاد سے

یہ کوئی کم ہے کہ کھُل کر سانس لے سکتے ہیں ہم
بوجھ سینے کا تو چھٹ جاتا ہے کچھ فریاد سے

غیر موزوں شعر، ایسا ہی ہے شاعر کے لیے
لم لگے جیسا کسی کو ناخلف اولاد سے

کبھی اُن کو بُرا کہتے تھے اب میری شکایت ہے
عجب کچھ ہیں خدا محفوظ رکھے یار لوگوں سے

ہمارے ضبط کی تو داد دینی چاہیے تجھ کو
چھپا رکھا ہے دردِ واجب الاظہار لوگوں سے

خدا آباد رکھے، رات دن آباد رہتے ہیں
بلاؤں سے مرا گھر، آپ کی سرکار لوگوں سے

تمہیں اپنی طرف سے بندہ بے پروا نہیں کہتا
خدا شاہد ہے، لوگوں سے سنا سرکار لوگوں سے

جان دینی بھی غمِ عشق میں دُوبھر ہے صفیؔ
ایسے احدی ہیں کہ اِتنا نہیں ہوتا ہم سے

مَیں نے کہا، جو کان میں کہنی ہے ایک بات
بولا وہ بدگمان "یہ اخلاص دُور سے"

بزم کی شان گھٹی، چاک گریبانوں سے
جانے بھی دیجے، خطا ہوگئی نادانوں سے

محوِ دیدار ہوئے ہم، تو کسی کی نہ سُنی
نُور آنکھوں میں جو آیا تو گئے کانوں سے

کبھی چھوٹوں سے بڑے کام نکل آتے ہیں
میل رکھ، بارگہِ حُسن کے دربانوں سے

آپ ملتے جو گلے، چاک گریبانوں سے
عیدیاں، عید میں آتیں، کئی عنوانوں سے

جلد بازوں نے دیا، ترکِ تعلق کا سبق!
کام بننے کے بگڑ جاتے ہیں نادانوں سے

اپنی فکروں سے یہاں سر نہیں اُٹھنے پاتے
اور وہ وہ سمجھے کہ میں شرمندہ ہوں احسانوں سے

مُنہ پہ بکھرا لیے بال آپ نے، سبحان اللہ
دِل لگی دیکھ کے کرتے ہیں پریشانوں سے

پھرتے پھرتے وہ بھی پھر جائیں گے اپنی راہ سے
صبر کر اے دِل! بڑی اُمید ہے اللہ سے

نعمتِ عشق اور میں ناچیز
اپنے پروردگار کے صدقے

دوستوں نے منالیا اُن کو
بن گئی بات چار کے صَدقے

بندگی اور میری بے لوثی
پاک پروردگار کے صدقے

ہم کو دیکھا تو قیامت میں بھی پہچان لیا
واہ کیا یاد ہے اب تک تجھے ہم یاد رہے

آنکھوں کی جوت بڑھتی ہے دیدار سے صفیؔ
مقبول صُورتوں کو بشر دیکھتے رہے

جب طُورِ جَل کے سُرمہ بنا غش ہوئے کلیمؔ
یہ سات آسمان کدھر دیکھتے رہے

اے صفیؔ! شعر و سخن کی کوئی تخصیص نہیں
ہم تو جس مشرب و ملت میں رہے میر رہے

قدرت نہ دے کچھ اور مگر کاتبِ قدرت
بندے کو تو بندے کا گرفتار نہ رکھے

وہ تو خرامِ ناز جو کرنا تھا کر گئے
اُن کی بلا سے مر گئے، دو چار مر گئے

نبھتی کہاں تک اُس بُتِ خود سر سے دوستی
جو دن گذر گئے وہ غنیمت گزر گئے

ہوتے ہی وصل اور بڑھا شوق اے صفیؔ!
جتنی دوا کی اُتنے ہی بیمار ہو گئے

مری بیمار پرسی جس طرح سے آپ کرتے ہیں
بھلا چنگا بھی دیکھے تو وہیں بیمار ہو جائے

ہوا تڑکا الٰہی ذرّہ ذرّہ دہر کا جاگا
مری سوئی ہوئی تقدیر بھی بیدار ہو جائے

یہ جانِ دولتِ دیدار کا بدل ہو جائے
عطائے تو بہ لقائے تو برمحل ہو جائے

تم نے صورت ہی ایسی پائی ہے
جس طرف جاؤ واہ واہ نکلے

جب تک ہے جگر خون رو لے
بہتی گنگا ہے ہاتھ دھو لے

بے تاب کیا دکھا کے جلوہ
کس مُنہ سے مرے عیب کھولے

صفی وہ پیاس کی شدّت وہ دھوپ جنگل کی
پھر اُس پہ پاؤں میں کانٹے، زبان پر کانٹے

مری سوانح عمری بھی وہ کہانی ہے
کہ جس کے سُننے سے آتے ہیں جسم پر کانٹے

جو طرف آپ کا پکارا ہے
کیا پکارا ہے؟ ہم نہیں کہتے

قول ہارا ہے آپ نے سو بار
کس سے ہارا ہے؟ ہم نہیں کہتے

آج خود کو سنوار کر تم نے
کیا سنوارا ہے، ہم نہیں کہتے

ہے عجب طرفہ تماشہ جسے دُنیا کہیے
اس میں سچّے کی مَرن ہے تو بھلا کیا کہیے

آدمی اشرفِ مخلوق ہے، مسجودِ ملک
اس کی عزّت ہے اگر خاک کا پُتلا کہیے

آ کے اُلٹے پاؤں پھر جانے کا آخر کیا سبب
کیا جگہ اُن کو نہ تھی، وہ میرے سر پہ بیٹھتے

گھر صفیؔ کا اور آنا آپ کا دشوار ہے
خیر جھوٹوں ہی کبھی اُس کو بُلا کر دیکھتے

اے صفیؔ اب تو نہیں اپنی وہ آوک جاوک
گاہے ماہے یُونہی مِل لیتے ہیں آتے جاتے

حضرتِ دِل نہ رکھیں آپ تمنّائے وصال
ایک جھِجھک ہے مِری جان کو آتے جاتے

دیدۂ تر کم سے کم اِتنا تو ہو
اپنی بدنامی کے دھبّے دھو سکے

ہاتھ جوڑے کوئی سو بار ترے پانو پڑے
اُف رے بے دَرد کسی پر نہ تری چھانو پڑے

کٹ ہی جاتے ہیں مُصیبت کے پہاڑ
صُورتِ فرہاد ہمّت چاہیے

خودکشی کیوں جُرم میں داخل نہ ہو
کیا امانت میں خیانت چاہیے

ہے وہ ارمانِ وصالِ ستم آرائے جہاں
نامہ لکھوں تو سیاہی نہ قلم سے چھوٹے

اب اس کو بھول کہیں ہم کہ بے خودی سمجھیں
خبر نہیں ہے کہاں کھو کے آبرو آئے

اُس بزم سے پُر ملال آئے
کیسے کیسے خیال آئے

ملنے جُلنے کا پھر مزہ کیا
آپس میں جب ملال آئے

رو کر کھویا ہے صبر گویا
نیکی دریا میں ڈال آئے

چھوڑو بھی صفی سیاہ کاری
داڑھی میں سفید بال آئے

جنابِ شیخ، اجی قبلہ! او بڑے حضرت
تمہارے لب پہ بھی ذکرِ مئے و سبو آئے

نہیں ہے کچھ بھی بھرم ہی بھرم ہے زاہد کا
نماز آئے نہ کم بخت کو وضو آئے

غزل نہیں ہے یہ دل کی بھڑاس ہے ظالم
سمجھ میں کس کی صفی تیری گفتگو آئے

دکھاؤں پھر اُسے کس کس نے اُس کو دیکھا ہے
ذرا وہ مجھ سے کہے میرے رُوبرو آئے

در و دیوار ڈرائیں جو اُسے گھر کاٹے
پھر بتاؤ کہ شبِ غم کوئی کیوں کر کاٹے

آنے والی تھی مقدر میں، جو گردش آئی
کاٹنے تھے ہمیں تقدیر کے چکّر کاٹے

ہائے فرہاد کی تقدیر سے کیا کاٹ پڑی
عُمر بھر اُس جگر افگار نے پتھر کاٹے

ایک مَیں ہوں کہ تری جُھوٹ کو بھی سچ سمجھوں
ایک تُو ہے کہ مری بات کو اکثر کاٹے

حاسد کو میرے ذکر سے تُو اشتعال دے
جلتے ہوئے پہ اور ذرا تیل ڈال دے

ایسے رہا کرو کہ کریں لوگ آرزو
ایسے رہا کرو کہ زمانہ مثال دے

کچھ بھی ہو مرا حال اُسے کوئی سُنا دے
اِس کان سُنے، اور جو اُس کان اُڑا دے

یا موت مجھے آئے کہ یہ حال نہ دیکھوں
یا اے دلِ بیمار، خدا تجھ کو شفا دے

تاثیرِ سُخن، کسب سے حاصل نہیں ہوتی
یہ دین خُدا کی ہے صفؔی جس کو خُدا دے

اب تیرا نام لُوں تو مرا نام تک نہ رکھ
دیکھوں جو آنکھ اُٹھا کے تو آنکھیں نکال دے

آگے مرا نصیب ہو قدرِ وفا نہ ہو
کوئی یہ بات کان پہ اُن کے تو ڈال دے

ہمارا ساتھ نہ دے نامہ بر زبان تو دے
اَتا پتہ تو بتادے، ذرا نشان تو دے

تیری غزل سے ہوتی ہے تسکینِ دل صفی
اللہ اور تیرے ہنر میں کمال دے

سب سے تُو بدگمان ہے پیارے
کِس مصیبت میں جان ہے پیارے

کیا کسی کی سُنوں شبِ وعدہ
تیری آہٹ پہ کان ہے پیارے

تیری دہلیز پر زرا سے کو
اُس کی آستان ہے پیارے

گرمیٔ بزم تک نہیں منظور
ہائے کیا دھان پان ہے پیارے

اے صفی اب دکن کہاں وہ دکن
اب تو ہندوستان ہے پیارے

ترا خیال، تری یاد اور تیرا نام
دماغ کے لیے، دل کے لیے، زباں کے لیے

جلا ہُوا ہوں، اگر دل کی آگ بھڑکے گی
چمن کو آگ لگا دوں گا آشیاں کے لیے

کس کس کی ہے یہ حق تلفی واہ، واہ، واہ
اپنے ہی ہاتھ اپنے ہی رخسار کے لیے

وہ زخم پر نمک بھی جو چھڑکیں تو لوٹ جاؤں
اس میں بھی اِک مزا ہے نمک خوار کے لیے

یوسفؑ کچھ ایک سُوت کی اِٹّی کا مال تھے
لاکھوں بہانے ہوتے ہیں دیدار کے لیے

مجروحِ بے نیازیِ احباب ہوں صفی
تاثیر کی کمی نہیں اشعار کے لیے

ماہِ کامل میں بھی دھبہ رکھ دیا اللہ نے
نقص ممکن ہے نہ ہو اِک آدھ کامل کے لیے

اُن کا سنگِ آستاں پایا ہے اب جاؤں کہاں
آخری پتھر ہے بس یہ میری منزل کے لیے

کیا جلی شمع؟ جو پروانے نے چکر مارے
دل جلوں تک تو پرندہ نہ کبھی پر مارے

سجدہ بے رویتِ مسجود ہے اِک فعلِ عبث
دردِ سر ہے جو کوئی لاکھ برس سر مارے

مار دُنیا کو جو ٹھوکر تو ذرا غور کو بچا
کہیں دُنیا نہ پلٹ کر تجھے ٹھوکر مارے

جیتے جی نفس کُشی جھوٹ ہے میرے نزدیک
جب کوئی خود نہ مرے نفس کو کیوں کر مارے

دیکھی وحشت تو مجھے خاص نظر سے دیکھا
وہ تو ایسا ہے کہ رگ دیکھ کے نشتر مارے

آپ کو آنکھ بچا کر بھی نہ دیکھیں افسوس
ہائے اس طرح سے جی کو کوئی کیوں کر مارے

چھوڑ دو، جب کوئی کمزور مقابل ہو صفیؔ
ہاتھ سے ہو نہ سکے منہ سے برابر مارے

بدگماں! کیا قبر میں ارماں ترے لے جائیں گے
ہم اکیلے آئے ہیں جیسے اکیلے جائیں گے

شکریہ تشریف لانے کا بڑی زحمت ہوئی
اب یہاں سے آپ اپنے گھر اکیلے جائیں گے

بار پھر بارِ غمِ فرقت اُٹھائیں! بوالہوس
ایسے ڈنڈ موںڈ ھوں پہ پاپڑ بھی نہ بیلے جائیں گے

دوستی سے ہم اُٹھانے کو تھے لُطفِ زندگی
یہ نہ سمجھے تھے کہ اِک آفت میں ڈالے جائیں گے

اُس گلی میں ڈال دو تا سنبھلیں ٹھوکر کھا کے غیر
یُوں بھی اِک دن خاک میں آنکھوں کے ڈھیلے جائیں گے

دیں گے نا اہلِ خاک رائے تجھے
ہر بَلا سے خدا بچائے تجھے

اے صفیؔ چُپ تو رہ کبھی ظالم
کھا گئی تیری ہائے ہائے تجھے

آبرو کھو کر کوئی کیوں اہلِ دولت سے ملے
پاؤ ٹکڑا لاکھ نعمت ہے جو عزت سے ملے

کہتے ہو ہم تو دیکھتے ہیں سب کو ایک آنکھ
دیکھو یہ بات سچ ہے ؟ ذرا دیکھنا مجھے

اب اُن کے مُنہ سے جھڑتے ہیں کیا پھول دیکھنا
کہتے نہ تھے کبھی جو اَجی سے اَرے مجھے

دَردِ جگر کی کس سے شکایت کروں صفیؔ
جو تھا مرے نصیب کا ملنا ملا مجھے

اِس گومگو جواب سے کچھ فائدہ نہیں
کہہ دیجیے نہیں تو نہیں، ہاں تو ہاں مجھے

تیرے بغیر چین گھڑی بھر کہاں
ہے دشمنِ بغل، یہ دلِ بدگماں مجھے

بھول کر بھی نہ کیا تُو نے کبھی یاد مجھے
ہاں اِدھر دیکھ مجھے وہ ستم ایجاد مجھے

ایک آنسو کے نکلنے تک ہی دم پر بن گئی
سر سے اونچا ہو گیا ہے بُوند بھر پانی مجھے

مَیں جو گھر بیٹھے رہا ہوں تو کوئی قدر نہیں
آئتا مال سمجھتا ہے، خریدار مجھے

آج اگر حُسنِ مجازی کی پرستش نہ کروں
کل قیامت میں خدا کا نہ ہو دیدار مجھے

جب مری جاں کہا، بگڑ کے کہا
تُو مرے نام سے پکار مجھے

بس یہ خط کا جواب آیا ہے
"آپ کا خط ہُوا وصول مجھے"

دُور اگر ہو جنونِ دید صفی
"بہ سر و چشم سب قبول مجھے"

غیروں سے التجا کی ضرورت نہیں صفی
گھر بیٹھے بھیج دیتے ہیں اللہ میاں مجھے

جوشِ گریہ سے مرا سر نہیں اُٹھنے پاتا
ورنہ دشمن کے مقابل کوئی نیچا دیکھے

ایسی صورت پہ یہ اخلاق، یہ گُن، یہ چالے
تم بُرا دیکھو اُسے، جو تمہیں اچھا دیکھے

اے صفی آپ کی قسمت ہی جو اُلٹی ہے تو کیا
یہ تو وہ دَور ہے، بہرا سُنے، اندھا دیکھے

افسُردہ دِل، افسُردہ کُند، انجمنے را
وہ پُھول بھی دیکھے ہیں جو پامالِ خزاں تھے

کیا طُرفہ مصیبت ہے یہ اے بے خودیٔ شوق
ہم آج یہاں تھے، نہ وہاں تھے، تو کہاں تھے

بے چارے صفی نے تو طبیعت نہیں بدلی
ہاں آپ میں یہ قاعدے قانون کہاں تھے

ہم کیا ہیں صفی، قیس کو فرہاد کو دیکھو
جب زندہ تھے بیچارے تو رُسوائے جہاں تھے

روکتے لوگ اُن کو مِلنے سے
اور پڑتے جو خواب کیا کرتے

عشق نے ہم کو بے گھرا تو کیا
اور عالی جناب کیا کرتے

وہ جلوہ اور طُور مقدّر پہاڑ کے
کیسی شراب کس کو پلادی پچھاڑ کے

دل کو کسی کی بزم میں کہہ دی ہے خیرباد
بیٹھا ہوں آج اپنے چہیتے کو گاڑ کے

بچّے نہیں ہیں آپ کھلونا نہیں ہوں میں
جب جی میں آئی پھینک دیا توڑ تاڑ کے

ہو واقعی جو نخل، کوئی نخلِ آرزو
میں آج پھینک دُوں اُسے جڑ سے اکھاڑ کے

میری طرح نہ بیٹھو گے نچلا ذرا سی دیر
پڑ جائیں گے مزے جو تمہیں چھیڑ چھاڑ کے

دُنیا کے رنگ آپ نے دیکھے ہیں کیا ابھی
زندے کے دوست بن کے نہ مُردے کو گاڑ کے

ہنگامہ اور اُس پہ پھر ہنگامہ حشر کا
مجھ تک کہاں سے آئیں گے وہ چیر پھاڑ کے

آلائشِ زمانہ سے دامن بچا صفیؔ
"کُتّا بھی بیٹھتا ہے جگہ اپنی جھاڑ کے"

مر جائے سائل آج ہی سر اپنا پھوڑ کے
اُس نے تو مُنہ پہ رکھ دیا ٹکڑا سا توڑ کے

انکار بھی کیا تو کیا اِس ادا کے ساتھ
گردن جھکا کے، اور بہت ہاتھ جوڑ کے

پوچھو اُنہی کے دل سے مزے اِس ملال کے
جس کو بُرا وہ کہتے ہیں اپنے پہ ڈال کے

آنکھیں نکال ڈالیے مشتاقِ دید کی
لیکن نہ دیکھیے اُسے آنکھیں نکال کے

مقدور ہو تو اے غمِ عیشِ وصالِ یار
تجھ کو کھلا دوں اپنا کلیجہ نکال کے

یوسف سا پاکباز حسیں ہاتھ لگ گیا
بے شک تھے تیرے دامِ زلیخا حلال کے

غلام شوق کے بندے بنے تمنا کے
غریب لوگ رہے دین کے نہ دنیا کے

یہ کیسے چھینٹے ہیں ہم مشربوں کے اے ساقی
کسی کا اُن میں سے کچھ پی کے ہوں نہ کچھ کھا کے

صفی ہے اور پھر اُس کی گلی ہے اے توبہ
سنبھل سکا نہ یہ سو بار ٹھوکریں کھا کے

یہ ذائقے ہیں جو دستِ ستم آسمان کے
پکوان پھیکے نکلے اِس اونچی دکان کے

میں ہوں اُس سرزمیں کی خاک صفی
ابر برسا کیے جہاں ہُن کے

اُن کے خلاف ہوتی ہے جو بات بحث میں
مطلب نکالتے ہیں بہت کھینچ تان کے

کچھ مہ رُخوں کے پیار سے حاصل نہیں صفی
تارے تو ہاتھ آتے نہیں آسمان کے

مانگنا جس کسی کو آیا ہے
اُس کا دروازہ کھٹکھٹایا ہے

اُس نے جو پھر مجھے ستایا ہے
آزمانے کو آزمایا ہے!

عشق کی آگ ہے وہ ظالم آگ
جس نے زندہ ہمیں جلایا ہے

آزمانا تمہیں نہیں آیا
ہم نے سو بار آزمایا ہے

اُس نے شرما کے مُنہ جو پھیر لیا
ہم یہ سمجھے اُدھر بُلایا ہے!

جھوٹی تسکین دینے والوں نے
دل دہی کر کے دِل دُکھایا ہے

وقت کو اے صفیؔ برا نہ کہو
وقت پیغمبروں پہ آیا ہے

اُس کو تقدیر کا دُھنی کہیے
جس نے سب کھو کے اُس کو پایا ہے

پھبتیاں غیر پہ کسنے کو ہے تیار صفیؔ
اور اُس پر کبھی ہنسیے تو خفا ہوتا ہے

کوئی چیز ایسی نہیں ہے صفیؔ
حقیقت میں انسان کیا چیز ہے

غمِ عشق سے ہے مری آبرو!
صفیؔ اُس کا کھایا پیا چیز ہے

کسی کو تو خاطر میں لائے صفیؔ
ارے یہ تکبّر بُری چیز ہے

صفیؔ کی آبرو ہے آپ کے ہاتھ
بُرا ہے یا بھلا ہے آپ کا ہے

مُنہ ہے کچھ اُترا سا، بھرآئی ہوی آواز ہے
خیر تو ہے کیا مزاجِ دُشمناں ناساز ہے

پھرتا ہے صفیؔ کوچہ بہ کوچہ جو شب و روز
کم بخت کے پاؤں میں سنیچر تو نہیں ہے

اپنی صورت کو دیکھ دیوانے
میری صورت کو گھورتا کیا ہے

سمجھ والوں کو دولت ہے کسوٹی اہلِ دولت کی
بہت جلد اس میں ہر کھوٹا کھرا معلوم ہوتا ہے

صفیؔ کا رنگ دیکھو اور پہناوے کو بھی دیکھو
کہ ایسا رند کیسا پارسا معلوم ہوتا ہے

کس کو آرام کس کو راحت ہے
زندگی قیدِ بامشقت ہے

طرزِ غالبؔ کی ریس اردو میں
شاعری تو نہیں حماقت ہے

دل کو قربان کر دیا ان پہ
اب مجھے عمر بھر کی فرصت ہے

وہاں ارشاد ہے فرصت سے ملیے
یہاں مرنے کی بھی فرصت نہیں ہے

صفیؔ ہے خوش قیافہ ، اجتہادی
یہ مولانا نہیں، حضرت نہیں ہے

آدمی جلوؤں میں گم دن رات ہے
دیکھنے کو سامنے کی بات ہے

بدحواسی عشق میں دن رات ہے
زندگانی ہو، بہوسکرات ہے

تیری ہر اک بات میں اک گھات ہے
واہ کیا کہنا ترا، کیا بات ہے

ہم نشیں، خاموش، جی گھبرا گیا
یہ تری باتیں ہیں یا برسات ہے

آدمی اِس ہاتھ دے، اِس ہاتھ لے
نیک و بد دُنیا کا ہاتھوں ہاتھ ہے

دوست نے وعدہ کیا ہے دوستو
آج میرے جاگنے کی رات ہے

کیوں پڑھا تھا، اُن کی صُورت پر دُرود
اب تو میرے نام پر صلوٰت ہے

حُسن سے خالی صفیؔ کی شاعری
عیب سے خالی خدا کی ذات ہے

جو چاہتا ہے، اُس کا بُرا چاہتے نہیں
اچھا تمہیں کہو، یہ کہاں کا رواج ہے

کم بخت بیچ والوں کی کب تک خوشامدیں
جھُوٹوں کو موت آئے کہ روز، آج آج ہے

ہم آپ کیا کہیں، کہ نباہی ہے کس طرح
خود سوچ لے، اگر کوئی مُنصف مزاج ہے

ہر دم جو تیری دُھن ہی میں بیٹھا ہوا ہوں
آخر، کچھ اور بھی تو مجھے کام کاج ہے

سب کو پیاری یہ جان ہے سچ ہے
"جان ہے تو جہان ہے" سچ ہے

نہیں رہتی کسی کی شان مُدام
یہ خدا ہی کی شان ہے سچ ہے

یاد سے اُس مُصحفِ رُخ کی یہ بندہ شاد ہے
وہ نہیں ہے دوزخی قرآن جس کو یاد ہے

آدمی کے واسطے ہے لذّتِ اکلِ حلال
اوجھ بھر لینا تو ہر حیوان کو بھی یاد ہے

پُوچھنا کیا، قہرمانِ عشق کی سرکار کا
درد و غم میں بھی رعایا شاد مُلک آباد ہے

جس کا دِل اینٹھا، اُسے جھوٹی تسلّی تک نہ دی
آپ کو دینا نہیں ہے یاد لینا یاد ہے

ہُو کا اِک میدان ہے اب میری دُنیائے خیال
میں ہی میں ہوں کوئی آدم ہے نہ آدم زاد ہے

آپ کو پہچان اگر اب تک نہیں استاد کی
جو صفیؔ کو کچھ نہ سمجھے، بس وہی استاد ہے

آنکھ میں ہیں تیرے جلوے دل میں تیری یاد ہے
اور لب پر "چشمِ ما روشن دلِ ما شاد" ہے

دوستی میں ان سے شکوہ دشمنی کا کیا کروں
صاف کہہ دیں گے کہ دعویٰ خارج از معیاد ہے

حضرتِ دل کی بات خاک سنوں
میری مٹی پلید ہوتی ہے

کیا کرامت ہے جھک کے ملنا بھی
اس سے دنیا مرید ہوتی ہے

اچھے گن دیکھ، اچھی شکل نہ دیکھ
سنکھیا بھی سفید ہوتی ہے

اس کے وعدے پہ جی رہا ہے صفیؔ
ہائے کیا شئے اُمید ہوتی ہے

نالۂ دل دوز سے اے چرخ بچنا ہے محال
یہ کبھی خالی نہ جائے گا ہمارا وار ہے

کل کسی کالی زباں والے نے کوسا تھا اُسے
آج رستے میں سنا میں نے صفیؔ بیمار ہے

بس اب راضی خوشی سے اُس پہ مَر مِٹنا ہی بہتر ہے
یہ دُنیا جس میں دُنیا جی رہی ہے، مَوت کا گھر ہے

یہ تکیہ اور بستر ٹھاٹ ہیں سب اہلِ دُنیا کے
جنھیں اُس پہ ہے تکیہ، اُن کو تکیہ ہے نہ بستر ہے

نہ پوچھو ہائے بیمارانِ غم کی زندہ درگوری
اسی پر جی رہے ہیں "مَوت کا اِک دن مقرر ہے"

گھڑی بھر بھی زمیں پہ آج کیوں تلوے نہیں ٹکتے
کہاں تشریف لے جانا ہے، کس کا دَم لبوں پر ہے

کہیں دِل کھو کے وہ بیٹھے ہیں دشمن کی برابر میں
برابر ہے کہ "بے دل دوست دشمن کے برابر ہے"

حضورِ دوست، مُنہ سے کیا نکالوں بزمِ دشمن میں
الٰہی! دَم بخود ہوں "غیر کا گھر تھوک کا ڈر ہے"

جہاں اُس کی اَماں ہو، لاکھ دشمن ہوں تو کیا پروا
وہاں جالے کو مکڑی، اور انڈے کو کبوتر ہے

صفی کو طفلِ مکتب جانتے ہیں اِس لیے شاعر
کہ ہر اِک شعر اُس کا بچّے بچّے کی زباں پر ہے

کہیں آنسو نہ ٹپکے آنکھ سے دشتِ محبت میں
نہیں ہے شیر کا ڈر، ہے تو ٹپکے کا یہاں ڈر ہے

نہیں بڑھتے ہیں اپنی حد سے زندے ہوں کہ مُردے ہوں
سب اتنے پاؤں پھیلاتے ہیں، جتنی ان کی چادر ہے

مرے کرتب سے میں واقف ہوں اس کو غیر کیا جانے
مگر وہ پرورش کرتا ہے بے شک بندہ پرور ہے

نہیں ممکن خلافِ طبع، اک آنسو کا پی جانا
بھلا ہمدم، یہ ہیرے کی کنی کیا لقمۂ تر ہے

یہ دو باتیں ہیں بس اے چارہ گر، آگے تری مرضی
جو غم نکلے تو اچھا ہے، جو دم نکلے تو بہتر ہے

صدوسی سال وہ باقی[۱] رہے دُنیائے فانی میں
صفی جس نے مری نسبت کہا ہے "یہ قلندر ہے"

ستمگر ایک مجھ سے دوستی ہے
مگر دُنیا تو ہم کو کوستی ہے

لیں طاعت آج، اور ہو فردوس کل عطا
"یہ نوکری تو نقد ہے، تنخواہ اُدھار ہے"

کہہ دی صفی کی عرض پہ کیوں بے دلی سے "ہاں"
اے دوست، ایسی "ہاں" کا "نہیں" میں شمار ہے

کوئی مجنوں کی عزت، عشق کی سرکار میں دیکھے
بڑی خدمت پہ ایسا آدمی مامور ہوتا ہے

۱؎ مولانا عبدالباری فرنگی محلی

حسینوں کا تنزّل بھی نہیں ہے شان سے خالی
بڑھاپے میں بھی اِن لوگوں کے مُنہ پر نُور ہوتا ہے

تجھے مشہور ہونا ہے تو عاشق کی بُرائی کر
بُرائی سے بہت جلد آدمی مشہور ہوتا ہے

کہاں کی شان کس کی آن، کیسی جان کی پروا
بُھگت لیتا ہے سب جب آدمی مجبور ہوتا ہے

مجھے تم جانتے ہو عقل سے معذور، ہاں، بے شک
محبت کرنے والا عقل سے معذور ہوتا ہے

حسیں ہر ایک ہو سکتا نہیں، بے شک صفی بے شک
وہی ہوتا ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے

چشمِ تر اُمڈی ہے، زخمِ دل جو آتش ریز ہے
زور کی بارش پڑے گی دھوپ اب کے تیز ہے

اُن کے دل میں واقعی میری محبت کچھ نہیں
مَیں سمجھتا تھا، دروغِ مصلحت آمیز ہے

آپ کے تیور سے پہچانی صفی نے دل کی بات
سچ ہے یہ آفت کا پَرکالا بڑا ہی تیز ہے

غُلو ہے اے صفی میری غزل میں
مگر اِتنا کہ آٹے میں نمک ہے

ہر کسی سے ہے لڑائی، ہر کسی سے جنگ ہے
بندہ پرور آپ سے سارا زمانہ تنگ ہے

چور، جادوگر، لڑاکا، بے مروّت، فتنہ ساز
قافیہ میرا، تری آنکھوں سے بالکل تنگ ہے

بات کرنے کی تمنّا تھی تو اُس کے رُوبرو
یُوں چلے جیسے کہ اپنے پاؤں میں کچھ لنگ ہے

اے صفیؔ، ہم ان کو اب تو خط بھی لکھ سکتے نہیں
آج کل کچھ ہاتھ ہی ایسا ہمارا تنگ ہے

ایک دن دے کر تسلّی آج تک ملنے دیے
مَیں نہیں کہتا ہوں "فدوی آپ کا ممنون ہے"

دل کی بے چینی جو دیکھی، ہم کو رونا آ گیا
لاکھ بد سے بد ہے، آخر ایک ہی تو خون ہے

تپ چڑھی، گلٹی نکل آئی، یہی ہے شور و غُل
اے صفیؔ، اس مُلک سے بھاگو یہاں طاعون ہے

محبت میں یہی آرام ہے تو اس سے درگزر
ہجومِ شوق پر پتھر پڑیں سینے پہ اک سِل ہے

ہمارا دل تو دیکھا، آزمایا، آپ نے ہم کو
ذرا ہم بھی تو دیکھیں، آپ کا کتنا بڑا دل ہے

اللہ کو پکار، اگر کوئی کام ہے
بندے ہزار نام کا یہ ایک نام ہے

جو کچھ سُنا تھا' چار ہیں وہ عرض کر دیا
جانے دو واقعہ نہ سہی' اتہام ہے

ہم کیا ہیں تہمتوں سے پیمبر نہیں بچے
نادان' کیا زمانے کے مُنہ کو لگام ہے

اب دوست سے غرض ہے نہ دشمن سے کام ہے
دونوں کو دونوں ہاتھ سے اپنا سلام ہے

دھندے میں پیٹ کے ہے گرفتار سب جہاں
ہر ایک دانہ دوسری صورت میں دام ہے

تُو خود بھی اپنے در کے فقیروں کی شان دیکھ
دُنیا مُرید اور زمانہ غلام ہے

وحشت بھی ہو تو کب ہمیں جنگل سے کام ہے
گھر میں اودھ کی صبح بنارس کی شام ہے

آوارگانِ عشق کا ظاہر نہ دیکھیے
اِن دِل جلوں پہ آتشِ دوزخ حرام ہے

اب تو ہم صاحب سلامت سے گئے گُزرے ہوے
واہ صاحب! کیا مُسلمانی ہے کیا اسلام ہے

اُس ستمگر سے اُسے کوئی تعلق ہی نہیں
ہائے بے چارہ صفیؔ تو مُفت میں بدنام ہے

کیا تعجب، جو ہو وصال میں وصل
کام میں کام بھی تو ہوتا ہے

دشمنوں کا دو ہی دن میں سب بھرم کھل جائے گا
اُن کی ساری شان و شوکت ایک میرے دم سے ہے

جھوٹے مُنہ کوئی تسلّی بھی نہیں دیتا کبھی
پھر یہ کیوں صاحب سلامت اپنی اِک عالم سے ہے

سب صفیؔ کی آہ پر بے ساختہ کہتے ہیں واہ
اِس کا رونا بھی مگر کچھ تال سے ہے، سَم سے ہے

"مجھے تم سے محبت ہے" کہا تھا
تقاضا ہے" بتا ہے تو کہاں ہے"

صفیؔ اپنے پُرانے واقعوں پر
نئے پُل کا چمن یاد آگیا ہے

مری رِندی میں تیرا خرچ کیا ہوتا ہے اے واعِظ
مسلماں کو بُرا کہتا ہے تو تُو کیسا مسلماں ہے

جگر میں اور دِل میں فرق ہے اُنیسے[19] بیسے[20] کا
تعلق دونوں کو ہے، ہاں ایک دایاں ایک بایاں ہے

غرض کا بندہ، عابد کیا، اطاعت کیا ہے عابد کی
کہ دل میں حُور ہے، سر میں ہوائے باغِ رضواں ہے

لڑا کر ٹکٹکی، مَیں نے پلک دانستہ ماری ہے
وہ آنکھیں اور آنسو جیتنے کی شرط ہاری ہے

ارے کافر، تجھے کیسا نہ سمجھوں، جان سے پیارا
نہیں ہے اِک مجھی کو سب کو اپنی جان پیاری ہے

کرو ترکِ وفا جس سے، اُسے قدرِ وفا ہوگی
ذرا دُنیا سے مُنہ پھیرو تو پھر دنیا تمہاری ہے

تنِ خاکی، اٹھائے رُوح کے کیا اے صفیؔ سمجھے
کہ یہ "بھاڑے کا ٹٹّو" مانگے تانگے کی سواری ہے

بگڑ کر بات پھر کچھ کچھ بنی ہے
وہی ہم ہیں، وہی جاں کندنی ہے

کیا وہ کام ہم سے ساتھیوں نے
کہ سالے سے بھی اپنے بدظنی ہے

نہ دیکھو میری صُورت یُوں بگڑ کر
ذرا دیکھو تو کیا صورت بنی ہے

اِستراحت نہیں نصیب صفیؔ
دردِ شب زندہ دار ہوتا ہے

دل دُکھے کیوں نہ اُس کی باتوں پر
دوست تو دل دُکھا کے کہتا ہے

اے صفیؔ کیوں بہار کے قصّے
"پھول پتّے لگا کے کہتا ہے"

بے کسی میں کیوں کسی کا نام لوں
جب خدا کے نام میں تاثیر ہے

کون بے پیرا کہے گا اے صفیؔ
روزِ پیدائش ہی میرا پیر ہے

سچ ہے جس کو خدا خراب کرے
ہر طرح سے خراب ہوتا ہے

اُن کی دہلیز پہ پڑا ہے صفیؔ
اب یہ عالی جناب ہوتا ہے

عشق ہی اک صفت خاص ہے ایسی جس میں
نام کا نام ہے، رسوائی کی رسوائی ہے

گریۂ خوں سے یہاں رخصتِ بینائی ہے
اور وہ پوچھتے ہیں، آنکھ تری آئی ہے

ذوقِ نظّارہ مقدر سے ملے تو مل جائے
یوں تو ہونے کو ہر اک آنکھ میں بینائی ہے

غرض کا بندہ، عابد کیا، اطاعت کیا ہے عابد کی
کہ دل میں حُور ہے، سر میں ہوائے باغِ رضواں ہے

لڑا کر ٹکٹکی، مَیں نے پلک دانستہ ماری ہے
وہ آنکھیں اور آنسو جیتنے کی شرط ہاری ہے

ارے کافر، تجھے کیسا نہ سمجھوں، جان سے پیارا
نہیں ہے اِک مجھی کو سب کو اپنی جان پیاری ہے

کرو ترکِ وفا جس سے، اُسے قدرِ وفا ہو گی
ذرا دُنیا سے مُنہ پھیرو تو پھر دنیا تمہاری ہے

تنِ خاکی، اشارے رُوح کے کیا اے صفی سمجھے
کہ یہ بھاڑے کا ٹٹو "مانگے تانگے کی سواری ہے"

بگڑ کر بات پھر کچھ کچھ بنی ہے
وہی ہم ہیں، وہی جاں کندنی ہے

کیا وہ کام ہم سے ساتھیوں نے
کہ سائے سے بھی اپنے بدظنی ہے

نہ دیکھو میری صُورت یُوں بگڑ کر
ذرا دیکھو تو کیا صورت بنی ہے

استراحت نہیں نصیب صفی
دردِ شب زندہ دار ہوتا ہے

رکھتے ہیں مجھ کو تشنۂ دیدار وصل بھی
یہ بھی خبر ہے پیاس بجھانا ثواب ہے

کُھلتی نہیں ہیں حُسن کی عالم فریبیاں!
اندھوں کی سیر اور یہ گُونگوں کا خواب ہے

تجھ کو بُرا جو کہتے ہیں سب، غم نہ کر صفیؔ
اچھوں کے واسطے یہ زمانہ خراب ہے

کھینچی تھی ایک آہ کبھی اُن کے سامنے
برسوں گزر گئے، مجھے اب تک ملال ہے

مَیں کُشتۂ اَدا ہوں تو دل اُن سے کیا بچاؤں
زندے کے اختیار میں، مُردے کا حال ہے

جی میں ہے رُوپ بھر کے فقیروں کا اے صفیؔ
کہتا پھروں "فقیر کی صُورت سوال ہے"

کوئی اختر شمارانِ شبِ غم سے ذرا پُوچھے
گجر دَم ٹھنڈی ٹھنڈی سی ہَوا کیا چیز ہوتی ہے

صفیؔ نے خونِ دل کھایا تو اشکوں میں بھی رنگ آیا
خدا کی شان، انساں کو غذا، کیا چیز ہوتی ہے

جگر میں دَرد ہے لَب پر فغاں ہے
جہاں جو چیز ہونی تھی وہاں ہے

حسینوں کو غرور اپنا سا بخشا
مرا اللہ میاں بھی بس میاں ہے

تری محفل میں تو موجود ہیں سب
صفی اورنگ آبادی کہاں ہے

تجھ سے چھٹے، تو اپنا جہاں جی لگا گئے
کیوں آج تم کو اتنی بڑی چھان بین ہے

قتل کرنا ہی محبت کا اگر دستور ہے
میرے سر آنکھوں پہ، جو کچھ آپ کو منظور ہے

اِک جوانی، دوسرا حُسن، اب وہ میری کیا سُنے
آج کل اپنے سے باہر ہے، نشے میں چُور ہے

مجھ کو حیرت ہے، صفی کو وہ نہیں پہچانتے
بچہ بچہ جانتا ہے، شہر میں مشہور ہے

ہم نے بھی تیرے واسطے تکلیف سہی ہے
آ، پاس آ، مُنہ چوم لوں، کیا بات کہی ہے

لکھا ہے حساب اس میں حسینوں کی جفا کا
دیوان صفی کا ہے کہ بنیے کی بہی ہے

غریبوں کو ستاؤ، مار ڈالو، بے نشاں کر دو
نہ کوئی کہنے والا ہے، نہ کوئی سُننے والا ہے

کیوں مری پرسش کو آئے کیوں قدم رنجہ کیا
بندہ پرور! آپ کا مجھ پر بڑا احسان ہے

آپ ہیں، مَیں ہوں، کوئی اب دخل درمعقول کیوں
سُنتے آئے ہیں کہ "دو میں تیسرا شیطان ہے"

اُن سے اب تک تو نبھی جاتی ہے اپنی اے صفی
ورنہ ہم کیا چیز، یہ اللہ کا احسان ہے

تمہیں کیا کام، اگر رونا کسی کا بے تحاشہ ہے
چلو رستہ سنبھالو، یہ بھی کیا کوئی تماشہ ہے

زمانے کا ہر دم نیا رُوپ ہے
کبھی چھاؤں ہے تو کبھی دُھوپ ہے

دوست بیمار ہے تو کیا پُوچھوں
دشمنوں کا مزاج کیسا ہے

کچھ اس طرح دلِ دشمن کا داغ جلتا ہے
کہ جیسے چور کے گھر میں چراغ جلتا ہے

صفی ہی سے صفی کے شعر سُنیے تو مزا آئے
مُصنّف کی زباں سے خوبیٔ تصنیف کھلتی ہے

دیوان کو صفی کے نہ پامال کیجیے
کچھ تو لحاظ کیجیے آخر کتاب کے

صفی یہ قائل و معقول، معشوقوں سے اے توبہ
ارے کمبخت عاشق ہے کہ فخر الدین رازی ہے

سامنے میں بھی ہوں، لیکن وہ ہے اور اخبار ہے
میرے اُن کے بیچ میں اب کاغذی دیوار ہے

دمِ آخر زباں پر بس اُسی کا نام آتا ہے
خدا بندے کے آڑے وقت میں بھی کام آتا ہے

پانی بھر آیا مُنہ میں تری شکل دیکھ کر
جو آنکھ میں مزہ ہو وہ میری زباں میں ہے

پابندِ وضع ہم نے صفی سا نہیں سُنا
یہ بندۂ خدا بھی عجب فاقہ مست ہے

ہے صفی بھی عجیب مردِ خدا
اس کو دِل سے دُعا نکلتی ہے

اور کچھ کام ترے چاہنے والے کو نہیں
بیٹھتے اُٹھتے تجھے یاد کیا کرتا ہے

زمانے کا ہر دم نیا رُوپ ہے
کبھی چھاؤں ہے تو کبھی دُھوپ ہے

کیوں خفا ہوتے ہو، میں خود ہی چلا جاتا ہوں
تم کو تکلیف اُٹھانے کی ضرورت کیا ہے

جی میں آتا ہے کہ اک نالہ بھی کر کے دیکھ لوں
چوک جائے تو نہ تنکا، لگ گیا تو تیر ہے

خوش ہے وردِ یا رقیبؒ سن کے وہ کافر ادا
کیوں نہیں، بے شک خدا کے نام میں تاثیر ہے

کچھ بڑے بوڑھے صفی کو کچھ نہیں سمجھیں تو کیا
آج کل کے نوجوانوں کے تو حق میں پیر ہے

اہلِ دل بے وفا نہیں ہوتے
تم نے کیسوں کو آزمایا ہے

مجھ کو حیرت ہے صفی کو وہ نہیں پہچانتے
بچّہ بچّہ جانتا ہے شہر میں مشہور ہے

دولت ملے صفی کو تو کیا جانے کیا کرے
کاہے میں کچھ نہیں ہے تو اتنا غرور ہے

اس کو خیالِ عشق و محبت ضرور ہے
لیکن کھچا کھچا ہے ذرا دُور دُور ہے

ملنے کو کھچ کے ملتے عدو سے بھی ہم مگر
اخلاق سے بعید مروّت سے دُور ہے

یہ تو کہیے ناصحوں کی مت کدھر ماری گئی
خیر دیوانہ تو اپنے میں نہیں، دیوانہ ہے

نہ بھاگو ہم سے، نہیں یاد حال یوسفؑ کا
کہ بھاگتے ہیں تو تہمت لگائی جاتی ہے

نہ سمجھو ہنس کے وہ یوں ہی مجھے رُلاتے ہیں
یہ مجھ سے اپنی لگائی بُجھائی جاتی ہے

اپنے سائے سے بدگمانی ہے
چشمِ بد دُور، کیا جوانی ہے

خود کو عاشق کہا تو اُس نے کہا
"کہیے عاشق کی کیا نشانی ہے"

بندوں سے سوال کرنے والو
اللہ کے پاس کیا کمی ہے

اکسیر بنا دے مجھ کو اے عشق
مولا "اِک آنچ کی کمی ہے"

پیری میں نہ رکھ تو سانس کی آس
رسّی بودی ہے، بے دمی ہے

آپ کی بات ہی نرالی ہے
کون ہے عیب سے جو خالی ہے

وہ کسی دن بگڑنے والے ہیں
اُن سے اِک روز ہونے والی ہے

تم نے میری جگہ رقیب کو دی!
خوب برطرفی و بحالی ہے

دلِ سوزاں بنے گا گھر تیرا
آگ میں داغ بیسل ڈالی ہے

تم نہیں دل میں کچھ نہیں دِل میں
"آج کل یہ مکان خالی ہے"

رند کو شیخ جی نے کیوں چھیڑا
"ایک مُنہ سے ہزار گالی ہے"

نہ اُس کی دوستی کچھ ہے نہ اُس کی دشمنی کچھ ہے
کبھی تولہ کبھی ماشہ، کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے

دیوانہ کہہ دیا، جیسے دیوانہ ہو گیا
تاثیر جس کو کہتے ہیں اُن کی زباں میں ہے

ملحوظ روز مرّۂ محبوب رکھ صفی
اللہ کا کلام، نبیؐ کی زباں میں ہے

وہ رقیبوں کے گلے روتے ہیں میرے رُو برُو
حضرتِ دِل! سُنیئے یہ کچھ اور ہی مضمون ہے

جائیں گے ایک دن عدم آباد کو ضرور
گو کچھ نہیں ہے پھر بھی ہمارا وطن تو ہے

پلٹا نہ زمانہ اور نہ پلٹے ہمارے دن
اب ہم ہیں اور گردشِ لیل و نہار ہے

دکھایا دل، تو بس اِک اُونہہ کر دی مَیں یہ سمجھا تھا
اُنھیں آنکھیں بھی ہیں، جن سے اُمیدِ قدر دانی ہے

نہ رو کر اپنے آنسو پی لیے مَیں نے تو وہ سمجھے
یہ ہے تھوڑے سے پانی ہیں، ذرا سا اُس کا پانی ہے

پھرتا ہے صفیؔ کوچہ بہ کوچہ جو شب و روز
کم بخت کے پاؤں میں سنیچر تو نہیں ہے

کیوں پڑا تھا اُن کی صورت پر درُود
اب تو میرے نام پر صلوات ہے

کسی کا دل، کسی کے بس میں کر دے
کسی بندے کی یہ قدرت نہیں ہے

وہاں ارشاد ہے فرصت سے ملیے
یہاں مرنے کی بھی فرصت نہیں ہے

جو بھلا کرتا ہے اللہ کے بندوں کے لیے
غیب سے اُس کا بھی ہر کام بھلا ہوتا ہے

تجھ سے اگر چھُٹے تو جہاں جی لگا گئے
کیوں آج تم کو اتنی بڑی چھان بین ہے

دیکھ غفلت نہ کر اے میرے رُلانے والے
تُو نے جو آگ لگائی ہے بجھی جاتی ہے

صفی بھی کس قدر نادان ہے شاعر ہُوا تو کیا
اُسے لوگوں سے جیتے جی اُمیدِ قدردانی ہے

اب نہیں پوچھتے وہ آنسو بھی
گریۂ خوں جو رنگ لایا ہے

اُس نے کھایا فریب لاکھوں کا
ہم نے جس کا فریب کھایا ہے

رخصت وہ چاہتے ہیں الٰہی میں کیا کروں
ہر گھر میں صبح اور مرے گھر میں شام ہے

دُعا دیتے ہو اپنے چاہنے والوں کو جینے کی
خدا تم کو سلامت رکھے یہ بات اور ہی کچھ ہے

الٰہی جان پر میری بنی ہے
کسی کی دوستی بھی دشمنی ہے

عاشقی تو گلے پڑی ہے صفی
اب خدا جانے اِس میں کیا کیا ہے

ہو جہاں بھی جمالِ باعظمت
سجدہ سَر پہ سوار ہوتا ہے

کیا کیا نہ ہُوا، تیری محبت جو رہی ہے
اللہ کو روشن ہے جو تکلیف سہی ہے

ہم نے بھی تو تیرے لیے تکلیف سہی ہے
سو جان سے قربان ہوں کیا بات کہی ہے

دشمنوں کا دو ہی دن میں سب بھرم کھُل جائے گا
اُن کی ساری شان و شوکت ایک میرے دَم سے ہے

صفی صاحب تو شعر و شاعری میں غرق رہتے ہیں
خدا جانے نحوست کب سے یہ حضرت کو گھیری ہے

ترا صدقہ، ہر اک میخوار کا ممنون ہوں ساقی
گدائے میکدہ ہوں ہر دُکاں پر اپنی پھیری ہے

کھینچی تھی ایک آہ، کبھی اُن کے سامنے
برسوں گزر گئے، مجھے اب تک ملال ہے

قیس و فرہاد ہوں گے کیسے لوگ
آج تک جن کا نام چلتا ہے

ٹکٹکی دیر سے تم نے جو ادھر باندھی ہے
آج کیوں ایسی سخاوت پہ کمر باندھی ہے

وقت انسان پہ اچھا نہ بُرا رہتا ہے
دَغدغہ موت کا اُس پر بھی لگا رہتا ہے

مرا ہر آسرا ٹوٹا ہوا ہے
وہ کیا چھوٹے ہیں دل چھوٹا ہوا ہے

یہ سمجھو داستانِ جوئے شیر و کوہ کن پڑھ کر
اگر ہمّت کرے انساں تو ہر اک کام آساں ہے

مجھے وہ جلوہ بھی گونگے کا خواب ہے گویا
زبان پر نہیں کچھ بھی، نظر میں سب کچھ ہے

صفی کو ہے سب کچھ خدا کا دیا
فقط کھانے کپڑے سے محتاج ہے

تُو وہ ہے جو ہر ایک کی بگڑی سنوار دے
میری مُراد بھی مرے پروردگار دے

ایسا نہ ہو حقیر سمجھ لے کوئی مجھے
ایسا نہ ہو کوئی مجھے دِل سے اُتار دے

میں خود اسیرِ ہستئ ناپائیدار ہوں
مجھ کو تری خدائی کا صدقہ اُدھار دے

داتا کی شان یہ ہے کہ جاری ہو اُس کی دین
سائل کا شیوہ یہ ہے کہ دامن پسار دے

یا کوئی تیرے بندوں میں ایسا مجھے بتا
پارے کی طرح نفس کے موذی کو مار دے

"رُباعیات"

میں نے جو سبب صفی سے پوچھا غم کا ؛ اک راگ الاپا ہے عجب سُر گم کا
کہنے لگا کچھ کا کچھ، بکی انٹ کی سنٹ ؛ ایسا، ویسا، فلانا، امکا، ڈھمکا

پھر کیوں رہے گا تم سے دشمن ٹیڑھا ؛ کہتے ہو کہ شاعری کا ہے فن ٹیڑھا
پوری وہی گت ہوئی تمھاری تو صفی ؛ آئے نہیں ناچنا تو آنگن ٹیڑھا

جل جائیں نہ تجھ پہ حرص والا بیچ ؛ دوزخ کو نہ مول بھائی! جنت کو نہ بیچ
اور ایک نہ ایک روز مرنے والے ؛ دُنیا ہیچ است و کار دُنیا ہمہ ہیچ

ظاہر کو نہ دیکھ! دیکھ! نادان! سنبھل ؛ اٹکل پہ قیاس کر نہ اعلیٰ اسفل
حسن صورت پہ جان دینے والے ؛ سونا سونا ہے اور پیتل، پیتل

میلے ٹھیلے کی جب خبر پاتے ہیں ؛ دس بیس کو گھور کے چلے آتے ہیں
ساری دُنیا تو دل کو بہلاتی ہے ؛ ہم ہیں کہ صفی نظر کو بہلاتے ہیں

لوگوں سے ہر ایک ڈھب سے مل جل کے رہو ؛ اب تک نہ رہے تو اب سے مل جل کے رہو
دُنیا میں اگرچہ نیک و بد سب ہیں صفی ؛ رہنا ہے یہاں تو سب سے مل جل کے رہو

کہنے دو بُرا۔ بُروں کے مُنہ پر نہ چڑھو! ؛ اچھے ہو صفی! اچھوں کی حد سے نہ بڑھو!
توبہ کرو! انسان کو اتنا غصہ! ؛ پانی پیو! شیطان پہ لاحول پڑھو!

سو بار ہوئی ہے عذر خواہی توبہ ∴ میں اور خیال بے گناہی توبہ
عاصی، عاصی ہوں میرے مالک عاصی ∴ توبہ توبہ ہے یا الٰہی توبہ!!

تصویر تو وہ ہے نہ ہٹے جس سے نگاہ ∴ کوئی کہے واہ تو، تو کوئی کھینچے آہ
تصویر وہ کیا ہے کہ جو دیکھے وہ کہے ∴ لاحول ولا قوۃ الا باللہ!

سنتے تھے جو لوگوں کی زبانی سچ ہے ∴ ہر قصہ صحیح، ہر کہانی سچ ہے
ہم؟ اور یہ وسواس؟ الٰہی توبہ! ∴ عشق است و ہزار بدگمانی سچ ہے

الفت کا مزہ جب ہے کہ مر جائے تو جائے ∴ یہ درد سر ایسا ہے کہ سر جائے تو جائے
جب ذوق یہ فرمائیں تو میں کون صفی ∴ دل جائے تو جائے اب جگر جائے تو جائے

عاشق ہوئے برباد بھی ہو جائیں گے ∴ ہم دل کی طرح جان بھی کھو جائیں گے
جو روز نہیں نیند نہ آئے گی صفی ∴ اک رات کو کچھ کھا کے ہی سو جائیں گے

یا رب کیسے وہ آدمی ہوتے ہیں ∴ مردوں سے جو شرط باندھ کر سوتے ہیں
تارے ڈوبے، گجر بجا، صبح ہوئی ∴ ہم شام سے آج نیند کو روتے ہیں

گردش قسمت کی خاک چھنواتی ہے ∴ اک بات بنی تو اک بگڑ جاتی ہے
آتے ہیں جو وہ تو ہوش اڑ جاتے ہیں ∴ آتے نہیں وہ تو نیند اڑ جاتی ہے

کھویا کہیں کچھ تو کچھ کہیں پایا ہے ∴ ادلا بدلا تو ہوتے ہی آیا ہے
طفلی میں صفی کھائی تھی ہم نے مٹی ∴ مر جانے پہ مٹی نے ہمیں کھایا ہے

سوچ مری بے کسی کا اب تک نہ ڈھلا ؛ ارمان کوئی ذرا بھی پھولا نہ پھلا
قائم رہے داتا تری لکھملٹ سرکار ؛ دے بھی تو بھلا ہو جو نہ دے بھی تو بھلا

خود کو گنتا ہے سب سے ناداں اچھا ؛ خود ہی اچھا نہ اُس کا دیوان اچھا
پھر بھی مانو صفی کو اے اہلِ دکن ؛ باہر کے ولی سے گھر کا شیطان اچھا

اک دوست سے اک دوست نے پوچھا اے دوست ؛ اچھا ہوتا ہے بھائی اپنا یا دوست
اس دوست نے سوچ کر کہا اے بھائی ؛ بھائی بھی وہ اچھا ہے جو ہو اپنا دوست

جتنے بھی طرز سے پنج تن کے دیکھے ؛ دیکھا۔ اللہ میاں ہیں اول بیٹھے
کیوں دیکھنے والوں کو شش و پنج نہ ہو ؛ مشہور تو یہ پانچ ہیں گنتی میں ہیں چھے

سب لوگ مجھے کیا کہوں کیا دیتے ہیں ؛ اللہ نے جو کچھ بھی دیا۔ دیتے ہیں
جو کچھ نہیں دے سکتے ہیں ایسے مجبور ؛ گالی دیتے ہیں یا دُعا دیتے ہیں

مطلب کے لئے وقار کھو لیتے ہیں ؛ دیوانے ہیں آبرو ڈبو لیتے ہیں!
ہیں قابلِ التفات مجبور ترے ؛ کچھ ہو نہیں سکتا ہے تو رو لیتے ہیں

یہ گلشنِ عالم ہے صفی دو روزہ ؛ اُے مردِ خدا تم بھی تو رکھو روزہ
ہم کو یہ توکل نے پڑھایا ہے سبق ؛ مل جائے تو روزی ہے نہیں تو روزہ

کعبے کے سفر سے آئے واعظ تن کر ؛ گویا پھر سے بگڑ گئے ہیں من کر
نادانوں پہ دباؤ اللہم اللہم ؛ بچوں کو ڈراتے ہیں یہ حاجی بن کر

شاعر یہ مرے سامنے جب ہوتے ہیں ؛ انداز سخن ان کے غضب کے ہوتے ہیں
کچھ پاس تخلص بھی نہیں ان کو صفی ؛ پوتے دادا سے بے ادب ہوتے ہیں

اب کے عربی دان ہیں عجب خواہ مخواہ ؛ رکھتے نہیں کچھ مذہب و ملت پہ نگاہ
شیطان کے نام پر پڑھ دیتے ہیں ؛ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

اللہ سے نڈر کہ خوف استاد نہیں ؛ اور ہو رہے جگر کسی سے امداد نہیں
ہوگی جب بازپرس کیسا ہوگا ؛ مٹھس تجھے آموختہ بھی یاد نہیں

غالب جو یگانہ کی نظر میں نہ جچا ؛ اس پر ہے شاعروں میں کیوں شور مچا
حیرت کی جگہ کیا ہے ارے دیوانو ؛ اس چودھویں صدی میں بھتیجا ہے چچا

"قطعات"

ہم نشین تجھ کو کھوج کیوں اتنی ؛ کون تھا۔ کیا ہوا۔ کہاں بیٹھے
جس سے ملنا تھا ہم کو اس سے ملے ؛ بیٹھنا تھا ہمیں جہاں بیٹھے
ہم بھلے گھر بھلا صفی اپنا ؛ اجنبی آدمی کہاں بیٹھے

دل ہوا غیب تو میں نے پوچھا ؛ اب کوئی اس کو کیا ہی جانے
بھولے پن سے یہ جواب اس نے دیا ؛ غیب کا حال خدا ہی جانے

تم اپنی بزم میں اتنا تو انتظام کرو ؛ کہ قاعدے سے قرینے سے بیٹھے جو بیٹھے
ہے اس طرح در دولت پہ عاشقوں کا ہجوم ؛ کوئی یہ سمجھے بھکاری ہیں بھیک کو بیٹھے

مجنوں کی قدر کچھ نہیں دربار عشق میں ؛ امیدوار محکمہ جنگلات ہے !!!

بے نیاز صلہ و شکر سہی تیرا عمل ÷ تیری آنکھوں میں تمنائے ستائش بھی تو ہے
مجھ کو صنعت کی نمائش میں کہاں لے آیا ÷ کہ ترے شہر میں فاقوں کی نمائش بھی تو ہے

دیکھنے کو ہم نے بھی دیکھے ہیں صدہا آدمی ÷ لیکن اب تک تو نظر آیا نہ ایسا آدمی
آپ سے دیوانہ پن کو ہم صفی کے کیا کہیں ÷ ہے تماشے کا تماشہ آدمی کا آدمی

یہ بھی سمجھ چکا تھا سب کوششیں عبث ہیں ÷ جب دل میں میل آیا کیا خاک پھر صفائی

÷

نالوں کو روکنے کی عادت بھی ہو چلی تھی ÷ یہ بھی سمجھ چکا تھا ہے اس میں جگ ہنسائی

دل بھی صفی ہے اپنا ہونٹ اپنے دانت اپنے ÷ کس کی کریں مذمت کس کی کریں برائی

تن ڈھانکوں تو آگ پیرہن کو لگ جائے
دیمک جنگل کی تن بدن کو لگ جائے
کپڑا عزت کی چیز ہے مگر دست جنوں
تجھ سے جو بچاؤں تو کفن کو لگ جائے

مستزاد

ہم پر اب تیری وہ پہلی سی عنایات نہیں ۔ وہ ملاقات نہیں
وہ تلطف، وہ تواضع وہ مدارات نہیں ۔ یہ تو کچھ بات نہیں

میرے گھر چلنے میں اب آپ کو تکرار ہے کیوں؟ ۔ آخر انکار ہے کیوں؟
کچھ اندھیرا نہیں، آندھی نہیں، برسات نہیں ۔ دن بھی ہے رات نہیں

کیا کروں پھر میں اگر شکوہ اعدا نہ کروں
تم نہ کرنے کی کرو اور میں پروا نہ کروں
تم تو سب کچھ ہی کرو اور میں اتنا نہ کروں
اپنی والی پہ جو آجاؤں تو پھر کیا نہ کروں
جب ستانے کے سوا تم کو کوئی کام نہیں
سوتے مُردے نہ جگا دوں تو صفی نام نہیں

کہا دل نے کہ اس شعر و سخن سے باز آئے ہم
جو ہو بدنام سب میں ایسے فن سے باز آئے ہم
اب ایسی چال سے ایسے چلن سے باز آئے ہم
کہاں تک آخر اس بیہودہ پن سے باز آئے ہم
نہ ہوں مشہور اگر شاعر تو یہ ہم کو ہے آمنا
مگر کہلا کے شاعر اچھے خاصے بھانڈ کیوں بنا

کہیں شادی ہوئی تو بس ہوئی سہرے کی تیاری
کسی نے پائی خدمت تو قصیدہ لکھ لیا بھاری
کسی کا سالِ رحلت ہے بہ صد اظہارِ غم خواری
کہیں سن ولادت میں شریکِ رحمتِ باری
کروں کیوں شاعری میں کیوں بنوں گم راہ دیوانہ
پرائے گھر کی شادی اور عبداللہ دیوانہ

اشرفی جن کے پاس وہ اشراف
مرسرکار جو ہو، وہ سرکالہ

اور ایسے سخی کہ سائل کو
دیں نہ اک حبّہ۔ گالیاں دیں ہزار

موم دل کیا ہوں ایسے مکھی چوس
شہد کھائیں نہ خود۔ جو ہوں بیمار

پانو میں بوٹ۔ آنکھ پر عینک
ہاتھ میں بید۔ اور منہ میں سگار

ہیں وہ محتاج تھڑلیوں کے لئے
کون ہے تسکین دے جو اُن کو اُدھار

یہ مہاجن تہی بغل میں لئے
بس ہمیشہ ہے ان کے سر پہ سوار

قدر مُفلس کی کیا کرے مُفلس
"خُفتہ را خفتہ کے کُند بیدار"

قرض خواہوں سے خلاصی جو ذرا پائی ہے
رات میں کچھ مجھے آرام سے نیند آئی ہے

نہ نالوں کا نہ آہوں کا نہ یہ فریاد کا رنگ ہے
مری محنت خدا کی دین ہے اُستاد کا رنگ ہے

صفی اورنگ آبادی سے متعلق لکھی گئی کتابیں اور مضامین

کتابیاتِ صفی اورنگ آبادی

الف. مجموعہ کلام

۱. انتخاب کلام صفی اورنگ آبادی مرتبہ: پروفیسر مبارز الدین رفعت حیدرآباد ۱۹۶۳ء
۲. پراگندہ (مجموعہ کلام) " خواجہ شوقؔ حیدرآباد ۱۹۶۵ء
۳. فردوس صفی (مجموعہ کلام) " سید غوث الیقین. پاکستان ۱۹۶۸ء
۴. گلزارِ صفی (مجموعہ کلام) " رؤف رحیم. حیدرآباد ۱۹۸۷ء
۵. کلام صفی اورنگ آبادی (غیر مطبوعہ) " محمد نورالدین خاں. حیدرآباد ۱۹۹۳ء

ب. صفی سے متعلق کتابیں:

۱. امجد سے شاذ تک " سیاست ۱۹۸۸ء
۲. سوانح عمری صفی اورنگ آبادی " محمد نورالدین خاں حیدرآباد ۱۹۸۹ء
۳. تلامذہ صفی " محبوب علی خاں اخگر قادری حیدرآباد ۱۹۹۱ء
۴. اصلاحاتِ صفی اورنگ آبادی " " " " ۱۹۹۳ء
۵. خمریاتِ صفی " " " " ۱۹۹۵ء
۶. انشائے صفی " " " " ۱۹۹۶ء

ج. صفی سے متعلق مضامین کتابوں میں

مضمون : مضمون نگار :

۱. محمد بہبود علی صفی اورنگ آبادی. مرقع سخن جلد اوّل میر شرف الدین علی خان ۱۹۳۵ء
۲. صفی اورنگ آبادی " تنقیدی افکار حیدرآباد پروفیسر سلیمان اطہر جاوید ۱۹۷۷ء
۳. صفی مرحوم کی یاد میں " تلامذہ صفی خورشید احمد جامی ۱۹۹۱ء
۴. صفی کی اہمیت " " پروفیسر سیدہ جعفر
۵. تلامذہ صفی " " اکبر الدین صدیقی

۶.	صفی اورنگ آبادی کی شاعری	تلامذۂ صفی	ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ	۱۹۹۱ء
۷.	دبستانِ صفی	//	ڈاکٹر اشرف رفیع	//
۸.	تم ہی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا ؟	//	خواجہ معین الدین موی	//
۹.	مرتب کے نام	//	عبدالحفیظ محفوظ	//
۱۰.	سخن ہائے گفتنی	//	محبوب علی خاں اخگر	//
۱۱.	حرفِ آغاز	اصلاحاتِ صفی	// //	۱۹۹۳ء
۱۲.	جائے استاد خالی است	//	پروفیسر یوسف سرمست	//
۱۳.	اصلاحِ سخن اور صفی اورنگ آبادی	//	پروفیسر یعقوب عمر	//
۱۴.	حرفے چند	//	پروفیسر گیان چند جین	//
۱۵.	صفی اورنگ آبادی کی استادی	//	نورالدین خاں	//
۱۶.	فانوسِ اصلاح	//	سید ذوالفقار علی عدیل	//
۱۷.	صفی بحیثیت استادِ سخن	//	ڈاکٹر محمد علی اثر	//
۱۸.	خمریات	خمریاتِ صفی	پروفیسر یعقوب عمر	۱۹۹۵ء
۱۹.	دکنی اردو میں خمریہ شاعری	//	ڈاکٹر محمد علی اثر	۱۹۹۵ء
۲۰.	اظہارِ رائے	//	محمد نورالدین خاں	//
۲۱.	صفی اور خمریات	//	سید فضل المتین	//
۲۲.	صبوحی	//	محبوب علی خاں اخگر	//

۲۳. صفی کے خطوط ایک مطالعہ ، انشائے صفی ، پروفیسر سلیمان اطہر جاوید ۱۹۹۶ء

۲۴.	انشائے صفی	//	محمد نورالدین خاں	//
۲۵.	اظہارِ حقیقت	//	محبوب علی خاں اخگر	//

۲۶. صفی کی شخصیت : مصطفیٰ کمال احمد ؛ سب رس : فروری ۱۹۶۷ء

۲۷. میر بہبود علی صفی ؛ خواجہ حمید الدین شاہد ؛ کاروانِ سخن : ۱۹۵۶ء

۲۸. اقتباسات ؛ سوانح عمری صفی اورنگ آبادی ، محمد نورالدین خاں ۱۹۸۹ء

۲۹. صفی اورنگ آبادی ؛ شخصیت اور شاعری کا جائزہ ، مقالہ برائے امتحان ایم اے (آخری) محمد عبدالعزیز ۱۹۷۵ء

د۔ صفی سے متعلق مضامین رسائل میں:-

۱. صفی اورنگ آبادی — غلام دستگیر رشید — سٹی کالج میگزین فروری ۱۹۵۵ء
۲. صفی میری نظر میں — ڈاکٹر یوسف کمال — 〃 〃 〃 〃 〃
۳. اردو شاعری میں فن پیری کا میلان — ڈاکٹر حفیظ قتیل — ماہنامہ صبا جولائی ۱۹۵۵ء
۴. صفی اورنگ آبادی — محمد اکبر الدین صدیقی — ماہنامہ نورس غزل نمبر ۱۹۵۸ء
۵. 〃 〃 — ڈاکٹر سیدہ جعفر — 〃 〃 〃
۶. قلندر صفت شاعر — ڈاکٹر عقیل ہاشمی — 〃 〃
۷. حضرت صفی — شریف ایم۔ اے — 〃 〃
۸. صفی ایک صاحبِ طرز شاعر — پروفیسر سلیمان اطہر جاوید — 〃 〃
۹. صفی کو میں نے دیکھا بھی سنا بھی — سعادت نظیر — 〃
۱۰. صفی اورنگ آبادی — سکین کاظمی — نقوش لاہور شخصیات نمبر جلد ۲، اکتوبر ۱۹۵۶ء
۱۱. صفی اورنگ آبادی — سید مرتضیٰ حسین صوفی، اردو کالج میگزین ۱۹۶۴ء
۱۲. عرضِ مرتب — خواجہ حمید الدین شاہد، یادگارِ صفی نمبر ب رس ۱۹۵۶ء
۱۳. پیامات:
- گوپال راؤ ایکبوٹے 〃 〃 ۱۹۵۶
- والدہ صاحبہ صفی۔ ڈاکٹر زور۔ جعفر امجد
- ڈاکٹر یوسف حسین خاں۔ پنڈت منتب مالیہ ری 〃

۱۳. خطوط حضرت صفی بنام ابو الفیض فیاض صاحب — 〃 〃
۱۴. آبِ حیات کا آخری شاعر — سید عبد الحفیظ محفوظ — 〃 〃
۱۵. کلامِ صفی کی چند خصوصیتیں — نصیر الدین ہاشمی صاحب — 〃 〃
۱۶. خطبۂ استقبالیہ یوم صفی ۱۹۵۵ء — عبد القادر سروری صاحب — 〃 〃
۱۷. صفی کو جیسا دیکھا ویسا پایا — پروفیسر سید محمد صاحب — 〃 〃
۱۸. صفی کی عشقیہ شاعری — محمد منظور احمد صاحب — 〃 〃
۱۹. محاورات میں صفی کا مقام — ابو محمد رشید شاہ سرمد صاحب — 〃 〃
۲۰. صفی اور ان کی شاعری — نصیر صفوی صاحب — 〃 〃
۲۱. صفی کے شاگرد — [illegible]

۲۲. صفی پر ایک سرسری نظر — خواجہ حمید الدین شاہد — " — "
۲۳. صفی کی شاعری — ہاشم حسن سعید — " — "
۲۴. صفی کی خانگی زندگی — صابر عارف ذکی — " — "
۲۵. نظمیں:۔ خورشید احمد جامی، محمد غلام محبوب خاں مسلم — " — "
خواجہ عبدالعلی صدیقی، بشیرانسا بیگم بشیر — " — "
سعادت نظیر، مرزا رونق قادری، غلام علی حاوی — " — "
۲۶. صفی اورنگ آبادی — مرتضیٰ حسین صوفی، اردو کالج میگزین جنوری ۱۹۶۴ء

صفی سے متعلق مضامین اخباروں میں:۔

۱. ہائے صفی — تمکین کاظمی، سیاست حیدرآباد ۲۸ مارچ ۱۹۵۴ء
۲. صفی اورنگ آبادی — مصطفےٰ اعلیٰ بیگم، ہمارا اقدام ۸ مئی ۵۴ء
۳. حضرت صفی کی شاعری — سید نظر علی عدیل، انقلاب بمبئی جولائی ۱۹۵۴ء
۴. حضرت صفی کیا تھے — خواجہ شوق — اگسٹ — "
۵. حضرت صفی پر مضمون — ڈاکٹر زینت ساجدہ، آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد ۱۹۶۶ء

غزل کا صنفِ سخن میں وجود ہے جب تک
رہے گا یاد ہر اک کو دکن میں نامِ صفی
(نامعلوم)

زینتِ بزمِ سخن ایک صفی تھا نہ رہا
اب ترستا ہے دکن رونقِ محفل کے لیے
(پروفیسر یعقوب عمر)

شاعرانِ دکن میں اے حلمی
مجھ کو مرغوب ہے صفی کا رنگ
(حلمی آفندی مرحوم)

مرتب کی کتابوں پر مشاہیر اردو کے تاثرات

تلامذۂ صفی

جناب محبوب علی خاں اخگر صاحب صفی کے شاگردوں کا تذکرہ مرتب فرمارہے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ تلامذہ کے اصلاح شدہ اشعار بھی پیش کریں خواہ وہ دو دو چار چار اشعار ہی سہی۔ اس سے مبتدی اور نوجوان شعرا استفادہ کریں گے اور عام قاری بھی فیض یاب ہوسکیں گے۔

محمد اکبر الدین صدیقی
ریڈر ریٹائرڈ عثمانیہ یونیورسٹی
چار قندیل آغاپورہ۔ حیدرآباد

مجھے خوشی ہے کہ جناب محبوب علی خاں اخگر تلمیذِ حضرت حادی یہ کام بہ حسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

پروفیسر رفیعہ سلطانہ
پھول بن
۱۲-۲-۱۲/۱

ایک ایسے وقت میں جب کہ دیس کا کونہ کونہ آگ و خون، قتل و غارت گری سے معمور ہے۔ شعر و شاعری، ادب و ادیب کے بارے میں لکھنا پڑھنا سوچنا ایک ایسی انفرادیت ہے جو کم ہی لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

بہرحال وقت، محنت، دولت و صلاحیت کو داؤ پر لگا کر آپ نے "تلامذۂ صفی" کی صورت میں ادب و شعر کی محفل سجائی اور بہت سے بھولے بسرے شاعروں کی یاد تازہ کردی، یہ کام دنیائے ادب اور خصوصاً حیدرآباد کے مکتب صفی کی دنیا میں ایک مینار کی حیثیت کا حامل ہے۔ اپنے آپ عاید کردہ ایک فریضہ سے بہرحال آپ نے سبکدوشی حاصل کرلی۔

۶ نومبر ۱۹۹۰ء
سید عبدالحفیظ محفوظ، بشیر باغ حیدرآباد

حیدرآباد کی تاریخ کے حالیہ آگ دھوئیں کے ہولناک فسادات اور قتل و غارت گری کے مجنونانہ تباہ کن واقعات (جب کہ یہ شہر بھاگیہ نگر کرفیونگر بن گیا تھا) کے دوران ان کے کام کرنے کا جذبہ سرد نہیں ہوا بلکہ انھوں نے کرفیو کی چھوٹ کے وقفے میں بھی اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ بہرحال اخگر صاحب نے اپنی آتشِ شوق کو ٹھنڈی ہونے نہیں دیا۔ اس ناچیز طالب علم کی محدود معلومات میں شاید ہی کوئی ایسا تذکرہ مرتب کیا گیا ہو جس میں ایک ہی مکتبِ سخن کے اتنے کثیر شاگردوں کا ذکر بہ یک وقت پایا جائے جس کے لیے سرزمین دکن جو صدیوں سے علوم و فنون کا گہوارہ رہی ہے، جتنا بھی ناز کرے کم ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ اس کتاب کو شرف قبولیت سے نوازے۔

خواجہ معین الدین عثمانی
(کنساس امریکہ)

جناب محبوب علیخاں اخگر نے شاگردانِ صفی کے اشعار ہم تک پہنچائے اور میں جناب اخگر کے چند شعر بطور نمونہ نذرِ قارئین کرنا چاہتا ہوں جن کے پڑھنے سے اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ کس طرح حضرت داغ، حضرت صفی اورنگ آبادی کا رنگ چھنتا ہوا جناب حاوی کے ذریعہ جناب محبوب علیخاں اخگر تک پہنچا ہے۔

رؤف رحیم، ایم اے

برادرم محبوب علیخاں اخگر جنھوں نے صفی اسکول کو ثبات دوام دینے کا بیڑہ اُٹھایا ہے جن کی کتاب "تلامذہ صفی" نے ادبی دنیا میں ایک نئی روشنی پھیلائی ہے۔

خورشید جُنیدی
مغلپورہ۔ حیدرآباد

"تلامذۂ صفی کی چھان بین کی پیچیدہ مہم محبوب علیخاں اخگر قادری نے اُٹھائی۔ اخگر صفی کے ایک تلمیذ ارشد غلام غوث حاوی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ حاوی مرحوم سے مجھے نیاز حاصل تھا۔ فنِ سخن میں نہایت نکتہ رس اور دقیقہ سنج تھے۔ شعر کمالِ احتیاط سے کہتے تھے۔ استاد کی دقتِ نظر اور احتیاط اخگر کی شاعری میں کہاں تک آئی

اِس گفتگو کا یہ موقع نہیں۔ تاہم اخگر کی تلاش و تحقیق میں حاوی کا حزم و احتیاط ضرور کار فرما ہے۔ تلامذۂ صفی اور کرم نامہ سب کے سب ایک ساتھ نازل ہوئے۔ ورق گردانی کی بہت دل خوش ہوا۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ حضرت حاوی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ کیا کہنا جناب حاوی صاحب سے مجھے نیاز حاصل تھا۔ مجھ پر بڑی شفقت تھی۔ ان کے تعلق سے میرے احساسات ہمیشہ قدر و احترام میں ڈوبے ہوئے رہیں۔

محمد ضیاء الدین احمد شکیبؔ

۱۷ جون سنہ ۱۹۹۱ء (لندن)

محبوب علیخاں اخگر حاوی نے تلامذۂ صفی اورنگ آبادی شائع کیا ہے اور مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اُنھوں نے اس دشوار گزار مرحلہ کو طے کیا اور نہایت لگن محنت، تلاش و تحقیق کے بعد صفی کے پرستاروں کو یہ تحفہ دیا۔

روزنامہ منصف
پروفیسر سلیمان اطہر جاوید
۸ ڈسمبر ۱۹۹۱ء (تربتی)

صفی اورنگ آبادی کے شاگردوں کا یہ بڑا معلومات آفریں تذکرہ ہے جسے محبوب علیخاں اخگر نے مرتب کیا ہے۔ ان کا بلا واسطہ تعلق حضرت صفی سے بڑا گہرا ہے۔ وہ صفی مرحوم کے عزیز ترین اور قابل ترین شاگرد غلام علی حاوی کے شاگرد ہیں۔

اردو بلٹز ۲۵ اپریل ۹۲ء عزیز قیسی (بمبئی)

محبوب علیخاں اخگر نے صفی اورنگ آبادی کے شاگردوں کی ادبی تاریخ کو اپنی کتاب تلامذۂ صفی میں بند کیا ہے۔ جسے مستقبل کے محقق اور نقاد نہ صرف قبول کریں گے بلکہ ادب کی تاریخ مرتب کرتے وقت صفی اور ان کے شاگردوں کے کارناموں کو اہمیت کے حامل خصوصیات کا درجہ دیا جائے گا۔

شاہینہ ثروت
مولانا آزاد کالج اورنگ آباد شعبہ...
۲۶ جولائی ۱۹۹۲ء

زیرِ تبصرہ کتاب کے مرتب محبوب علیخاں اخگر قادری نے حضرت صفی کے چار سو شاگردوں میں سے ۸۶ شاگردوں کا ذکر کیا ہے۔ اور کتاب کے صفحہ ۲۴۰ پر حضرت صفی کے اُن تلامذہ کی فہرست بھی دے دی ہے جو بقیدِ حیات ہیں۔ یہ کتاب تذکرہ نگاری کے باب میں ایک اضافہ ہے جس کے مطالعہ سے صفی اورنگ آبادی اور اُن کے تلامذہ کی شاعری ہی سے نہیں بلکہ اس دور کی تہذیب سے بھی قاری آگاہ ہو سکتا ہے۔

اکتوبر ۱۹۹۲ء

پروانہ ردولوی

(ماہنامہ ایوانِ اردو دہلی)

تلامذۂ صفی اورنگ آبادی ایک اچھی علمی خدمت ہے۔ (حیدرآباد جس کو میں شہرِ علم، شہرِ تصوف اور شہرِ تہذیب کہتا ہوں) کی علمی اور ادبی تاریخ کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ پہلے فرداً فرداً ادیبوں اور شاعروں کی خدمات کا اعتراف کیا جائے۔ مجھے خوشی ہے کہ محبوب علیخاں اخگر صاحب نے یہ کارِ خیر انجام دیا ہے۔ اور تلامذہ صفی کے بارے میں اپنی معلومات کو یکجا کر دیا ہے۔ میرا یقین ہے کہ اس کتاب سے صفی شناسی اور حیدرآباد شناسی کی طرف پیش رفت ہوگی۔

۳ ستمبر ۱۹۹۲ء

پروفیسر عنوان چشتی

جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

تلامذۂ صفی اورنگ آبادی ایک نادرِ روزگار کتاب ہے۔ ایک ذی حضور کے اتنی بڑی تعداد میں شاگردوں کے حالات اور نمونۂ کلام کا بہم پہنچانا کوئی معمولی بات نہیں۔ محبوب علیخاں اخگر کی ہمت مردانہ کی داد دینی چاہیے کہ انھوں نے وظیفہ حاصل کرنے کے بعد اس کام کا بیڑہ اُٹھایا۔

صفی کے ۱۵۷ مستند شاگردوں میں ۸۶ کے حالاتِ زندگی اور نمونۂ کلام کی فراہمی کے ساتھ ساتھ انھوں نے کم از کم ۶۳ شاگردوں کی تصویریں بھی اس کتاب کے ساتھ زندۂ جاوید بنا دی ہیں۔

اقتباس تبصرہ

ماہنامہ آندھرا پردیش جنوری ۱۹۹۳ء

پروفیسر یعقوب عُمر

صدر شعبۂ فارسی نظام کالج حیدرآباد

جناب محبوب علیخاں اخگر قادری کا یہ اقدام قابلِ ستائش ہے کہ انھوں نے "زندہ کلام" والے اس مرحوم شاعر کے حقیقی شاگردوں کی فہرست مرتب کر کے تلامذہ صفی اورنگ آبادی کے زیرِ عنوان کتاب شائع کی ہے۔ اس کتاب میں ۸۶ تلامذہ کا ذکر ہے، ان میں بہت سے مرحوم ہو چکے اور کچھ بقیدِ حیات ہیں۔

(روزنامہ رہنمائے دکن ۲۱ر فروری ۹۳ء) حسینی جاوید مرحوم

محبوب علیخاں اخگر نے اسے مکمل دستاویز بنانے کی پوری سعی کی ہے تلامذہ کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات بھی جہاں جہاں ملی درج کی ہے۔ ان کے حالاتِ زندگی اور کلام کا نمونہ بھی دیا ہے۔ جگہ جگہ صفی سے متعلق، صفی کے بارے میں انتخاب کلامِ صفی، صفی کے ضرب الامثال، منتخب اشعار صفی درج کئے گئے ہیں۔ تلامذہ کی تصاویر بھی ہیں۔ مضامین پُر معنی ہیں۔ گہرائی میں جا کر لکھے گئے ہیں معلوماتی ہیں۔ مرتب نے اپنے دادا استاد اور استاد کی یاد میں ایک خاصہ بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

ماہنامہ آج کل دہلی
مئی ۱۹۹۳ء

رام لعل نابھوی
نابھا (پنجاب)

حیدر آباد میں صفی اسکول شعر و ادب کا ایک عہد استوار تھا اب نہ وہ ساقی ہے نہ مے خانہ۔ رہے نام اللہ کا تلامذۂ صفی پڑھے جانے والی کتاب ہے اس کی ترتیب کے لیے جناب اخگر مبارکباد کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

ماہنامہ شمس الادب

ابن نامی
(وقار خلیل مرحوم)

اخگر قادری صاحب نے بڑی عرق ریزی اور جستجو کے ذریعہ صفی اورنگ آبادی کے ۱۵۷ تلامذہ کی فہرست تیار کی، ۸۶ شاگردوں کے حالات زندگی اور نمونہ کلام کو یکجا کیا اور ۶۳ تلامذہ کی تصویریں حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ مرحوم شعراء کی تاریخ ولادت اور تاریخِ وفات کے حصول کے لیے انھیں ان کی قبور کے کتبوں

تک بھی پہونچا پڑا۔ ان کی ساری کد و کاوش اور ان تھک کوششوں کا ثمرہ تلامذۂ صفی اورنگ آبادی کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ محبوب علیخان اخگر قادری قابلِ مبارکباد ہیں کہ انھوں نے ایک صبر آزما اور ناقابلِ تسخیر مہم کو بڑی حد تک کامیابی کے ساتھ سر کر کے تلامذۂ صفی کے نام اور کام کو جو دستِ بُردِ زمانہ سے معدوم ہوتے جا رہے تھے، موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ کر لیا۔

ڈاکٹر محمد علی اثر

۸ر فروری ۱۹۹۳ء

اقتباس "ہماری زبان" دہلی

"خیالاتِ حادی"

خیالاتِ حادی کے لیے شکر گزار ہوں۔ آپ نے نہایت گرانقدر کام کیا ہے یہ جان کر مزید مسرت ہوئی کہ "اصلاحاتِ صفی" زیرِ طباعت ہے صفی کو اردو شاعری میں اُن کا مقام ملنا چاہیے۔ اور اس کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ یقین ہے آپ کی مساعی بار آور ہوں گی۔

۳۰ر ستمبر ۱۹۹۲ء

پروفیسر سلیمان اطہر جاوید (تیروپتی)

یہ ایک شعری مجموعہ ہے۔ شاعر ہیں مولوی غلام علی حادی مرحوم جانشین حضرت صفی اورنگ آبادی، حادی صاحب ۷ر جمادی الآخر ۱۳۱۱ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۵ر ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ کو بعمر ۷۷ سال مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ اس مجموعہ کو مرتب کیا ہے ان کے شاگرد محبوب علی خاں اخگر قادری نے اور مدد فرمائی ہے حادی صاحب کے فرزند محمد یحییٰ خالد نے جو کینیڈا میں مقیم ہیں یہ دونوں اصحاب مبارکباد کے مستحق ہیں۔ بزرگوں کو یاد رکھنا اور ان کی یاد قائم کرنا عزیزوں کا فرض ہے۔ کتاب تصاویر سے مزین ہے۔ کچھ مضامین میں حادی صاحب کی شکل و شباہت، لباس، عادات مطالعہ، ان کا فارغ الاصلاح ہونا، ان کی غزل، رباعی، قصیدہ، مثنوی نظم، تاریخ گوئی، عربی، فارسی، اردو علوم سے واقفیت، فنِ خطاطی، علم عروض، ان کی شادی

اولاد، دیوان حاوی کا گم ہونا، پھر ملنا وغیرہ کا ذکر تو ہے ہی۔ ان کے کلام کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ تجزیہ کرنے والے نقدر نقادان فن ہیں۔

رام لعل نابھوی

ناعبا (پنجاب)

یحییٰ خالد نے اختر صاحب سے خواہش کی کہ والد کا مجموعۂ کلام وہاں سے حاصل کر کے ترتیب و اشاعت کی ذمہ داری قبول کریں۔ یہ اہم ترین فریضہ ان جیسے مستعد فعال، حرکیاتی اور دھنی شخصیت کے علاوہ کسی اور کے بس کا نہیں تھا۔ ایسے موقعوں پر جب اللہ کسی کے نام اور کام کو زندہ و باقی رکھنا چاہتا ہے تو کسی اہلِ خرد کو جنوں آشنا کر دیتا ہے اور وہ کام کی تکمیل کا بیڑہ اپنے سر لے کر علمی اور ادبی یادگار چھوڑ جاتے ہیں۔ حضرت حاوی کے شاگردِ رشید اختر صاحب اور حاوی صاحب کے فرزندِ ارجمند محمد یحییٰ خالد نے یہی تو کیا! ایک نے اپنے والد کے علمی ورثہ کی اشاعت و حفاظت کے لیے مالی ذمہ داری کا حق ادا کیا تو دوسرے نے اپنے شفیق استاد کے شعری سرمایہ کی ترتیب و تدوین کے علمی کام اور کتابت و طباعت کے سارے علمی مراحل طے کر کے ایک سچے ادب شناس اور مخلص شاگرد ہونے کا بیّن ثبوت دیا۔ ہر دو کی یہ مخلصانہ اور فرزندانہ خدمات ہر اعتبار سے لائقِ ستائش اور قابلِ مبارکباد ہے کہ انھوں نے ان قیمتی اوراق کو برگِ خزاں رسیدہ بن جانے سے محفوظ کر لیا۔

خواجہ معین الدین عزمی (کنساس اسٹیٹ، امریکہ)

طباعت و اشاعت کے سلسلے میں جناب اختر کا انتخاب نہایت موزوں ثابت ہوا۔ اختر شاعری کے سوا اردو ادب کے خدمت گزاروں میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ موصوف کی مرتبہ کتابیں "تلامذہ بیکل اورنگ آبادی"، "شمع فروزاں" اور "تاریخ و ادب" مصنف عمر خالدی و محمد نور الدین خاں صاحب کی طباعت آپ کی انتظامی صلاحیتوں کا بیّن ثبوت ہے۔ بہر حال نظام حاوی کے فرزندِ حقیقی اور فرزندِ معنوی دونوں نے اپنا اپنا حق ادا کیا چنانچہ ان دونوں کی کوششوں

کا مظہر "خیالاتِ حاوی" کی صورت میں موجود ہے۔

بشیر باغ　　　　　　　　　　سیّد عبدالحفیظ محفوظ

یہ میرے لیے باعثِ سعادت اور والدین کی اُخروی خوشنودی کا سبب ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے مجھے "خیالاتِ حاوی" کو اپنے ذاتی صرفے سے شائع کرنے کا موقع عطا فرمایا۔

اگر عم محترم جناب محبوب علیخاں اخگر اس ذمہ داری کو قبول نہ فرماتے تو اس مجموعۂ کلام کے زیورِ طبع سے آراستہ ہونے کے امکانات موہوم ہو جاتے اور شعر و ادب کی دُنیا مکتب صفی کے بالغ نظر، ماہر عروض داں اور وسیع معلومات رکھنے والے دکن کے اہلِ زبان، بلند فکر سخنور کے "خیالاتِ حاوی" سے محروم رہتی الغرض یہ کہ میرا دلی ہدیۂ تشکر ان کی نذر ہے جس کے لیے میرے محدود دائرۂ علم میں لفظوں کا کال ہے۔

اونٹوریو، کینڈا　　　　　　　　　　محمد یحییٰ خالد
ابن حاوی

حاوی کے شاگرد، جناب محبوب علیخاں اخگر نے حضرت حاوی کا منتخب کلام "خیالاتِ حاوی" کے عنوان سے مُرتب کر کے اردو والوں کو سرزمین دکن کے ایک جوہرِ قابل سے متعارف کروایا ہے۔ ان کے اس جذبۂ عقیدت مندی کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے۔

پروفیسر اشرف رفیع
(صدر شعبۂ اردو، عثمانیہ یونیورسٹی)

حضرت حاوی کے فرزند محمد یحییٰ خالد نے جو اس وقت کینڈا میں مقیم ہیں اس طرف توجہ کی اور اپنے والد مرحوم کے مجموعۂ کلام "خیالاتِ حاوی" کی طباعت و اشاعت میں سرمایہ لگا کر اس کو منظر عام پر لانے کا اہتمام کیا۔ اس مجموعۂ کلام کے دیگر لوازمات یعنی اس کی ترتیب و تدوین میں ان کے تلمیذ و جانشین جناب

محبوب علیخاں اخگر نے پوری تگ و دو کی، اس طرح ہر دو اصحاب لائق ستائش ہیں

بیت النظیر، اسغلپورہ
سید نظیر علی عدیل

خیالات حاوی کی رسم اجرا انجام دیتے ہوئے کہا کہ صفی اورنگ آبادی نے ارضِ دکن پر شعر و سخن کی جو شمع روشن کی تھی اس کی ضیا پاشیوں سے آج تک بھی علم و فن کی محفلیں منور ہیں۔ غلام علی حاوی کا شمار استادِ سخن میں ہوتا ہے۔ فاضل مرتب کو کتاب کی اشاعت کے لیے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

سیاست
۲۱ر فروری ۱۹۹۳ء

سید رحمت علی
صدر نشین اردو اکیڈمی

اخگر چالیس برسوں سے شعر و ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ ماہر صفی اورنگ آبادی تسلیم کئے جاتے ہیں چار تصانیف شائع ہو کر مقبول عام ہو چکی ہیں تین زیر ترتیب ہیں۔

اردو بلٹز، بمبئی
۶ر مئی ۱۹۹۵ء

بھائی اخگر یہ بھی تو اپنی جگہ ایک ڈھکی چھپی حقیقت ہے کہ ریاض خیرآبادی ہوں، داغ دہلوی ہوں، سیماب اکبرآبادی ہوں کہ نشور واحدی ان میں سے کوئی بھی رموزِ رندانہ سے واقف نہیں تھا۔ صرف غزل کے بانکپن کے لئے غیر مرئی خم کے خم لنڈھاتے رہے۔ داد بھی پائی اور زبان پر رکھے بغیر رندوں میں شامل بھی ہو گئے۔ نہ دنیا ہاتھ سے گئی نہ جنت، مہندی رچائی بھی نہیں اور رنگ بھی چوکھا ہو گیا۔ حضرت صفی تو سر تا سر رند تھے خمریات پر ان کا حق تھا اور آپ نے اس حق کو ثابت کر دیا۔ ان کی ایسی شاعری کے عمدہ انتخاب کو مرقع نگاری کی نوک پلک سے سجا کر کچھ ایسی جوت جگائی ہے کہ ہر جام سے کرن پھوٹتی ہے۔ کیا آپ نے یہ کرن کبھی دیکھی ہے؟ آپ بڑے خوش قسمت ہیں اور مبارکباد کے مستحق

۳۰ر جنوری ۱۹۹۷ء ڈبل ڈاڈی نالہ اپن گوڑہ، حیدرآباد
اقبال متین

مکرمی اخگر صاحب ۔ تسلیم

"خیالاتِ حادی" ملی، مکتوب ملا ۔ شکریہ

حادی مرحوم کی شاعری قدیم رنگِ سخن کی ہے، چونکہ میں نقاد نہیں ہوں، اس لیے اِس کتاب پر کوئی تبصرہ نہ لکھ سکوں گا ۔

آپ کا بہت اصرار ہے تو ایک پُرانی بڑی سی تصویر تلاش کر کے بھیج رہا ہوں ۔ یہ تصویر ۱۹۸۳ء کی ہونی چاہیے، لیکن معلوم ہوتا ہے جیسے میری موجودہ شباہت کو پیش کر رہی ہے ۔

حادی صاحب نے ایک غزل کا قافیہ کائنات، بے ثبات رکھا ۔ مقطع میں کہتے ہیں ؎

فکرِ سخن میں آپ اچانک جو آ گئے

حادی رَدی کو بھول گیا انبساط میں

اِس معافی کی ضرورت نہیں تھی، میرے نزدیک کائنات اور انبساط کا قافیہ جائز ہے ۔ اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔ مخلص

کیان چند

اندرا نگر ۔ لکھنؤ

مخدومی و محترمی جناب اخگر صاحب ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ کی ارسال کردہ ساری چیزیں نوشین سلمہا کے ذریعہ آپ کے مؤدت نامہ کے ذریعہ وصول ہوئیں ۔ حیران ہوں کہ کن کن باتوں کا کس کس طرح سے اظہارِ تشکر کیا جا سکتا ہے ۔ میری اہلیہ کے فرائض کیے جیسے کیسٹ (۲) مالک رام صاحب کا "تذکرۂ ماہ و سال" جس میں آپ کے اوّلین کارنامہ "تلامذۂ صفی" کے سندِ قبول اور تاریخی دستاویز، علمی اور ادبی نشانِ راہ ہونے کا مسلّم ثبوت موجود ہے (اگرچہ بہت کم کا حوالہ دیا گیا ۔ مکتبِ صفی کی نمائندہ اور شخصیتوں کو شائع کرنا کوتاہ نظری پر دلالت کرتا ہے ۔) ۳ : "خیالاتِ حادی" کے نسخے جو آپ کی دیدہ ریزی محنتِ شاقہ، سچی لگن، بے لوث ادبی خدمت کی یادگار ہیں ۔

جس کام کا آغاز خلوصِ نیت، دردمندی اور بے جگری سے کیا جاتا ہے، اس کا سلسلہ بالعموم انمٹ نقوش اور انمول علمی تحفوں پر اختتام پذیر ہوتا ہے ۔ اللہ نے آپ کی جنوں آشنا محنت کو ایسے کیمیاوی بلاوے سے کہ نہ کہیں رُکنے کے آثار پائے جاتے ہیں اور نہ کسی مرحلہ پر

چھپنے کی ضرورت!

یہی تو کرشمۂ قدرت ہے کہ اللہ کسی نہ کسی کو اس طریقے سے محبوب بنا لیتا ہے اور آپ تو اسم بامسمیٰ ٹھیرے! آپ کا دُود اُفتادہ

عرشی

میرے محبوب! میرا آداب

کتاب کل ملی تھی، آج صبح پڑھنے بیٹھا۔ ایک پوسٹ کارڈ پر رسید لکھ دی تھی تاکہ پہنچنے کا پتہ چل جائے۔

آج ۳ بجے تک کتاب پڑھ ڈالی۔ تبصرہ لکھا اور ڈاک کے حوالے کیا۔

تبصرہ کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس انداز سے لکھا جائے کہ قاری کے دل میں خیال پیدا ہو کہ کتاب دیکھی جائے۔

میں ایک ایک لفظ پڑھ کر تبصرہ لکھا کرتا ہوں۔ اب آپ اپنی رائے لکھیے۔

نیازمند راجم لعل نابھوی

دیوان محلہ۔ نابھا۔ پنجاب

محترمی اختر صاحب۔ السلام علیکم۔ مزاج گرامی

حسب الحکم رسم اجراء میں شرکت کے لیے حاضر ہوا تھا۔ تقریب بہت شاندار اور کامیاب رہی۔ مبارکباد قبول کیجیے۔

جلسہ گاہ میں آپ کی دونوں کتابیں آدھی قیمت میں مل رہی تھیں تو میں نے فائدہ اُٹھا لیا۔ مجھے جلدی لوٹنا تھا اس لیے جگر صاحب کی تقریر کے بعد آپ کے ایک کارکن کی کتابوں پر آپ کی تحریر کے ساتھ دستخط لانے کے لیے ڈائس پر بھیجا لیکن شاید انھوں نے آپ کو ٹھیک سے نہیں سمجھایا ہوگا، اس لیے وہ صرف آپ کی دستخط لے کر لوٹے۔ میرا خیال ہے کہ مصنف یا مرتب کی دستخط کے ساتھ تحریر بھی ہو تو کتاب کے ساتھ تحریر بھی محفوظ ہو جاتی ہے۔ انشاء اللہ آپ کی آنے والی کتابوں پر یہ کام کرلوں گا۔

آپ کے تعلق سے نورالدین خاں صاحب نے بجا لکھا کہ : "جو کام کسی ادارہ یا انجمن نے نہیں کیا، پیکرِ عمل اخگر صاحب نے کر دکھایا"۔ جناب نظیر علی عدیل نے آپ سے تعاون نہ کرنے والے موجودہ تلامذۂ صفی کی خوب کھنچائی کی۔ مصروفیتوں کا سلسلہ تھا، اس لیے یہ خط دیر سے سہی مگر لکھ دیا ہوں۔ اُمید کہ آپ کوئی خیال نہیں فرمائیں گے۔

۲۵ مارچ سنہ ۱۹۹۳ء محمد حمایت اللہ

مکرمی۔ سلام و نیاز

آپ نے جس خلوص اور محبت سے اپنی کتاب بھیجی ہے، اس کے لیے بے حد ممنون ہوں، اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ "شعلۂ سخن" کی ایک غزل "پاکستان لنک" میں شائع ہوئی ہے۔ تراشہ مُرسلِ خدمت ہے۔ جب کبھی فرصت ملے "لنک" کے لیے اپنی تخلیقات روانہ فرمایئے۔ آپ کا مخلص

۲ جون سنہ ۱۹۹۵ء حسن چشتی۔ شکاگو

اِصلاحاتِ صفی

جناب محبوب علیخاں اخگر قادری نے پہلا ادبی کارنامہ یہ انجام دیا کہ حضرت صفی کے (چھیاسی) شاگردوں کا محققانہ جامع تذکرہ مرتب کرکے ۱۹۹۱ء میں بڑے آب و تاب سے "تلامذۂ صفی اورنگ آبادی" کے نام سے شائع کیا جسے اصحابِ ذوق نے قدر و منزلت سے دیکھا اور پذیرائی کی۔ ایک منزل سے دوسری منزل پر آکر سستانے کی بجائے ان کے ذوقِ علم اور جہدِ مسلسل کا ایک اور کرشمہ "خیالاتِ مادی" کے روپ میں چند مہینے بعد ہی جلوہ آرا ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ جو کام کسی اِدارہ یا انجمن نے نہیں کیا، پیکرِ عمل جناب اخگر نے تنہا کر دکھایا۔

جناب اخگر نے بہت بڑی ادبی خدمت کی ہے کسی مالی تعاون سے بے نیاز اور فکرِ سود و زیاں سے بے پرواہ جناب اخگر اپنی لگن اور جستجو کے پئے ہم سے

جو علمی کام انجام دے رہے ہیں وہ لائقِ تحسین و ستائش ہے۔ ان کا کام ان کے نام کو یقیناً زندہ رکھے گا۔

۲۰ ستمبر ۱۹۹۲ء
(دیوڑھی نواب مشرف جنگ مرحوم قیام)

محمد نور الدین خاں
(صدر ادبستان دکن)

انجم قادری صاحب نے روزنامہ منصف کے ادبی ایڈیشن میں ۲۱ قسطوں میں صفی کی اصلاحیں شائع کیں اور اب انھوں نے اصلاحاتِ صفی کے ایک وافر ذخیرے کو کتابی صورت میں شائع کر کے نہ صرف انھیں ضائع ہونے سے بچالیا ہے بلکہ قارئین اور شعراء کے ایک وسیع حلقے کو ان اصلاحوں سے استفادہ کرنے کا موقع بھی عطا کیا ہے۔ اُمید کہ اردو کے اَدبی اور علمی حلقوں میں اس کتاب کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

ڈاکٹر محمد علی اثر
سکاشانۂ اثر۔ حیدر آباد

ریڈر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ

انجم صاحب قابلِ مبارکباد ہیں جو صفی کے کام کو نہ صرف محفوظ کر رہے ہیں بلکہ شعر و ادب کی ایک اہم خدمت انجام دے رہے ہیں جو اپنی نوعیت کا بالکل اچھوتا کام ہے۔ جس کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے۔

ڈاکٹر یوسف سرمست
(پروفیسر صدر شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی)

"نعمان" روڈ ۱۲ بنجارہ ہلز حیدرآباد

انجم صاحب نے انتہائی تگ و دو اور تلاش و جستجو سے معلومات فراہم کیں اور اسے کتاب کی شکل میں شائع کیا ہے

آفریں باد بریں ہمت مردانہ اد

کوچۂ نسیم
حیدرآباد

پروفیسر یعقوب عمر
(صدر شعبۂ فارسی نظام کالج)

جناب محبوب علی خاں اخگر قادری حیدرآباد کے باشندے ہیں۔ تحقیق کے آدمی ہیں۔ میں ۱۹۹۰ء تک حیدرآباد میں رہا۔ افسوس کہ کبھی ان سے ملنے کا موقع نہ ملا۔ اب جب کہ میں لکھنؤ منتقل ہوگیا ہوں، انھوں نے اپنا بیش بہا مطبوعہ کارنامہ تلامذۂ صفی اورنگ آبادی اور زیرِ طبع کام اصلاحاتِ صفی کے کچھ اجزاء مجھے عنایت کیے۔ انھیں دیکھ کر احساس ہوا کہ کاش حیدرآباد میں کبھی ان سے یاد اللہ ہوگئی ہوتی۔

اخگر قادری صاحب نے بہت دوڑ دھوپ، عرق ریزی و دیدہ ریزی کر کے تلامذۂ صفی اورنگ آبادی مرتب کی۔ میں ان کے اس کام سے خوش ہوں۔ اخگر صاحب اصلاحاتِ صفی اور مکاتیبِ صفی بھی مرتب کر چکے ہیں۔ صفی اورنگ آبادی کی اصلاحوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ استادِ سخن تھے۔ اخگر صاحب نے ان کی اصلاحوں کو اکٹھا کر کے ان کی تدوین کی اس سے بہتوں کا بھلا ہوگا۔ زبان و بیان کی بے مہار آزادی کے دور میں اس قسم کی کتاب کی افادیت "عیاں راچہ بیاں" کی مصداق ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ اہلِ سخن اور اہلِ نقد اس مجموعہ کا مطالعہ کر کے مستفیض ہوں گے۔

لکھنؤ۔ ستمبر ۹۲ء

پروفیسر گیان چند جین

محبوب علی خاں اخگر نے صفی پر جو کام کیا ہے اور کر رہے ہیں وہ لائقِ قدر ہے۔ اردو شعر و ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کو عموماً اور صفی کے پرستاروں اور شاگردوں کو خصوصاً اخگر کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔

پروفیسر سلیمان اطہر جاوید

صفی اور اصلاحاتِ صفی

ابھی کچھ دن پہلے میرے ایک دوست جناب رؤف بیگ صاحب نے حیدرآباد سے "اصلاحاتِ صفی" کا ایک نسخہ روانہ کیا ہے جس کو جناب محبوب علیخاں اخگر

نے مُرتب کیا ہے۔ اب جو اصلاحاتِ صفیؔ آئی تو گزشتہ دلوں کی باتیں اور گزرے واقعات ایک ایک کر کے سامنے آنے لگے۔

جناب محبُوب علیخاں اخگر نے اس کتاب (اصلاحاتِ صفیؔ) کے اشاریہ میں سب سے پہلے میرا نام رکھا ہے کہ صفیؔ پر مضمون لکھنے والوں میں مجھے اوّلیت حاصل رہی ہے اب سے کوئی تیس چالیس سال پہلے بلکہ اس سے بھی کچھ آگے کی بات ہے کہ ریڈیو اسٹیشن چراغ علی گلی میں جناب محبوب علی خاں صاحب کی نگرانی میں تھا جہاں سے خصوصی پروگرام نشر ہوا کرتے تھے۔ انہی پروگراموں میں مَیں نے صفیؔ پر مضمون پڑھا ہے اپنے اس مضمون میں اور باتوں کے علاوہ مَیں نے یہ بھی کہا تھا کہ جناب صفیؔ بہت پُرگو اور زود گو شاعر ہیں۔ ان کی ہر غزل کے سارے کے سارے اشعار منظرِ عام پر آجاتے ہیں جن کی وجہ سے اکثر اچھے اشعار ذرا مدھم پڑجاتے ہیں اس سلسلہ میں مَیں نے کچھ مثالیں بھی دی تھیں اور آخر میں کہا تھا کہ اگر انتخاب ہوا کرے تو مناسب ہے۔ مَیں مضمون پڑھ کر واپس آرہا تھا چار مینار کے پاس جہاں اب بسوں کا اڈہ ہے وہاں ایک چائے خانہ تھا جہاں لوگ شام کو آکر بیٹھتے تھے اور ریڈیو سُنتے تھے صفیؔ صاحب بھی اپنی ضروری مصروفیات سے فارغ ہو کر بلاناغہ یہیں آیا کرتے تھے جیسے ہی میری نظر ان پر پڑی مَیں سیکل سے اُتر کر ان کے پاس جا بیٹھا ابھی ایک دو لمحے بھی نہیں گزرے تھے کہ ایک ہلکی سی مُسکراہٹ کے ساتھ حضرت نے فرمایا "یا شاہ آپ ہم پر بھی وار کرنے لگے"۔ آج تک وہ مسکراہٹ جس میں خلوص تھا۔ محبت بھی اور استادانہ شان تھی مجھے یاد ہے بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج بھی مَیں ان کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں۔

جناب اخگر تلامذہ صفیؔ سے نہیں ہیں۔ ان کا تعلق جناب حاوی سے ہے جو صفیؔ کے شاگردِ رشید تھے۔ ان کے کلام کے تیور تبلاتے ہیں کہ جو سلسلہ کیفی صفیؔ اور حاوی سے چلا ہے وہ برابر جاری ہے۔ یہ شاعر سے زیادہ محقق کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

صفیؔ کے تعلق سے جناب محبوب علیخاں اخگر کی کتابیں ہمارے سامنے آتی جارہی ہیں اب عنقریب "محاوراتِ صفیؔ" بھی بازار میں آجائے گی۔ یہ ان کی اس

دوڑ دھوپ کا نتیجہ ہے جس نے ان کو قبرستانوں کی زیارت کروائی اور فاتحہ خوانی کا ثواب بھی بخشا جس کا ذکر خود انھوں نے بڑے پُر لطف انداز میں کیا ہے۔ جناب اخگر کی ان ادبی خدمات کی جس قدر ستائش کی جائے کم ہے! انھوں نے نہ صرف صفیؔ کو بہ حیثیت شاعر دوامی زندگی بخشی ہے بلکہ ادبی دنیا میں خود اپنے جیتے رہنے کے سامان بھی مہیا کر لیے ہیں۔

میں خاص طور پر جناب محبوب علی خاں اخگرؔ کا ممنون ہوں کہ ان کے یہ ادبی کارنامے ایسی شخصیت کی یاد دلاتے رہتے ہیں جس کی شاعری کا یہ وہ اعجاز ہے کہ وہ نہ ہوتے ہوئے بھی ہم میں موجود ہیں۔ رہے نام اللہ کا

صاحبزادہ میر شرف الدین علیخاں
تلمیذ حضرت صفیؔ اورنگ آبادی

اقتباس
روزنامہ سیاست ۲۲.۴.۱۹۹۶ء

محبوب علی خاں اخگرؔ نے صفیؔ اورنگ آبادی کی اصلاحوں کو محنت، لگن اور اخلاص سے جمع کیا ہے۔ یہ کام اپنی جگہ ایک اہم علمی خدمت ہے جو دیر تک اور دُور تک طالبانِ فن کی راہ میں اجالا کرتی رہے گی۔ میں اخگرؔ صاحب کے اِس علمی کام کا خیر مقدم کرتا ہوں۔

پروفیسر عنوان چشتی
(ڈین آف فیکلٹی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی)

۲.۹.۱۹۹۳ء

آپ کی عنایت کردہ کتاب "اصلاحاتِ صفیؔ" ملی۔ تہہ دل سے مشکور ہوں۔ میں نے ورق گردانی کی ہے۔ اصلاحات برجستہ ہیں! افسوس استادی و شاگردی کی روایت ہی ختم ہو گئی ہے۔ کم از کم غزل میں تو اس روایت کی تجدید کی ضرورت ہے۔ صفحہ ۵۵ پر آپ نے اساتذہ کے کلام پر صفیؔ کی جو اصلاحیں درج کی ہیں وہ نرالی دریافت ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ تمام صورتوں میں صفیؔ کی اصلاح سے شعر بہتر ہو گیا ہے لیکن کوئی چاہے تو غالبؔ میر اور دوسرے شعرا کے اشعار پر بھی اصلاح کر سکتا

ہے۔ بہت سے مصرعوں میں بہتری کی گنجائش ہے

لکھنؤ ۲۳ / اپریل ۹۳ء
پروفیسر گیان چند جین

جناب محبوب حسین جگر، جوائنٹ ایڈیٹر روزنامہ سیاست نے اصلاحاتِ صفیؔ کی رسمِ اجراء انجام دیتے ہوئے کہا کہ "ادب میں اپنی طرز کی پہلی کتاب ہے جس میں شاگردوں کے کلام اور استاد کی اصلاحوں کو نہایت عرق ریزی سے جمع کیا گیا ہے"!

۲۱-۲-۹۳ء
محبوب حسین جگر
(جوائنٹ ایڈیٹر روزنامہ سیاست)

محبوب علیخاں اخگرؔ صاحب نے عمر کے اس حصے میں جب لوگ ہاتھ پیر توڑ کر (اپنے یا دوسروں کے گوشہ گیر ہو جاتے ہیں) یہ علم و ادب کی خدمت کا ایک بیڑہ اُٹھالیا ہے اور پے در پے کتابیں مرتب کرتے چلے جارہے ہیں۔ صاحبِ موصوف میں نوجوانوں کی سی عزم و ہمت، حوصلہ اور توانائی ہے۔ پچھلے ۲ ½ ۱ - ۲ سال کے اندر چھ کتابیں پیش کر چکے ہیں۔ اس دورِ ابتلا میں ایسے لوگوں کا وجود بسا غنیمت ہے کہ سے

انھیں کے سوزِ عمل سے ہیں اُمتوں کے نظام

مُظفر محبّازؔ

شعلۂ سخن

جناب اخگرؔ نے ازراہِ کرم مجھے اپنے اس مجموعۂ کلام کا مسودہ مطالعہ کے لیے دیا اور مجھے ہر صفحے پر یاد رکھنے کے قابل شعر ملے۔ مجھے یقین ہے کہ شعلۂ سخن کی اشاعت سے اردو شاعری کے عظیم خزانے میں ایک اور باکمال شاعر کے فن کا اضافہ ہوگا۔

سید ہاشم علی اختر
(وائس چانسلر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی)

نیرول ۷ / اکتوبر ۹۳ء
(امریکہ)

شعلۂ سخن

محبوب علی خاں اخگر

(تعارف)

حیدرآباد نے زندگی کے مختلف میدانوں میں متعدد مشہور و معروف اور باصلاحیت شخصیتیں پیدا کی ہیں۔ کہنہ مشق شاعر جناب محبوب علی خاں المتخلص بہ اخگر کا تعلق بھی اسی مردم خیز شہر سے ہے۔ آپ کی تین تصانیف "تلامذۂ صفی اورنگ آبادی"، "خیالاتِ حادی" "اصلاحاتِ صفی اورنگ آبادی" اور ان کا اپنا شعری مجموعہ "شعلۂ سخن" زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ ۱۹ سالہ اخگر کی شاعری روایت و جدّت کا حسین امتزاج ہے۔ زبان سادہ لیکن بامحاورہ ہے۔ فکر کی بلندی اور جذبات کی گہرائی اخگر کے اکثر اشعار میں نمایاں ہے۔ اخگر کے شعری مجموعہ "شعلۂ سخن" کے بارے میں پروفیسر ہاشم علی اختر کا کہنا ہے کہ "مجھے یقین ہے کہ شعلۂ سخن کی اشاعت سے اُردو شاعری کے عظیم خزانے میں ایک اور باکمال شاعر کے فن کا اضافہ ہوگا۔" اخگر صاحب حضرت غلام علی حادی مرحوم کے شاگرد ہیں اور آج اپنے استاد کا نام روشن کر رہے ہیں۔ اخگر کو نظم و نثر دونوں پر یکساں قدرت حاصل ہے اور آپ نے صفی اورنگ آبادی کے بارے میں متعدد کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں۔ آپ کی تین تصانیف "محاوراتِ صفی اورنگ آبادی" "خمریاتِ صفی اورنگ آبادی" اور "صفی اورنگ آبادی کے خطوط" عنقریب منظرِ عام پر آنے والی ہیں۔ آج کل آپ "نصیب منشن" ۲/۱۷/۲۶۲-۳-۱۹ جہاں نما حیدرآباد ۵۳...۵ میں قیام پذیر ہیں۔

راشٹریہ سہارا۔ دہلی

محترم اختؔر صاحب ۔ سلام مسنون

آپ نے "شعلۂ سخن" سے نوازا، سراپا سپاس ہوں کہ آپ نے کسی قابل سمجھا۔ مجموعہ ابتداء ہی سے لَو دے رہا ہے۔ از حرفِ اوّل تا آخر آگ ہی آگ ہے۔ آپ کے دل میں جو آگ لگی ہوی ہے اس سے آپ دوسرے کے دل و دماغ میں بھی چنگاریاں بھر رہے ہیں۔ مجموعہ میں نے بالاستیاب پڑھا اور دل و دماغ کی جو کیفیت ہوی وہ تفصیل سے بہ شکل تبصرہ بیان کروں گا۔ شعلۂ سخن کے بعض اشعار بہت پسند آئے، جیسے

نامۂ قسمت ہے اخگرؔ بے نیاز   دستخط تو دستخط' ابہام سے

(اس غزل کے ۱۵ شعر ہیں) غزل مسلسل

دِل کا شفِ سِرِّ مَن عَرَف ہے   ہیں ماحی نقشِ ماسوا ہوں
ہائے کیسا غیور تھا ابلیس   غیر کے آگے سَر جُھکا نہ سکا

کیا غضب کا شعر ہے۔ آج انسان ابلیس سے بدتر ہے۔

۱۵ر فروری ۹۴ء   رؤف خیرؔ : رسالہ بازار. گولکنڈہ

مکرمی جناب اختؔر صاحب ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل آپ کی کتاب "شعلۂ سخن" ملی۔ اِس مہربانی اور تکلیف فرمائی کا شکریہ۔ کُتاب کا سرِ ورق جاذبِ نظر اور طباعت بہت اچھی ہے۔ پچھلے صفحہ پر مجھ ناچیز کی رائے اور تصویر چھاپنے کا شکریہ۔ تبصرہ کرنے سے پہلے میں آپ کی کتاب کا مطالعہ کر چکا تھا، لیکن کل پھر اُسے پڑھا۔ یہاں کے غیر مشرقی ماحول میں جہاں گھروں میں بہت کم بچے اُردو بول سکتے ہیں، آپ کی کتاب میری رفیق رہے گی۔ یہاں آنے سے پہلے اپنے اچھے کُتب خانے کو تقسیم کر دینے کا بڑا افسوس رہا۔ اُردو کی بہت سی کتابیں، ادارۂ ادبیاتِ اُردو کو دی گئیں اور بہت سی دوستوں میں تقسیم ہوئیں۔ مخلص

نیپر ول ۔ امریکہ   سید ہاشم علی اختر

{ سابق وائس چانسلر علیگڑھ یونیورسٹی }

آپ کا حسین و جمیل مجموعۂ کلام "شعلۂ سخن" وصول ہوا۔ دیدہ زیب اور خوش رنگ ٹائیٹل دیکھ کر جی خوش ہو گیا اور آپ کے ذوق کی نفاست اور فنکارانہ افتادِ طبع کا قائل ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ جس کتاب کا حُسنِ ظاہری اتنا دلکش ہو اس کے باطنی حُسن کے کیا کہنے۔

۲۹ مارچ ۱۹۹۴ء

پروفیسر ثاقب انور
(صدر شعبۂ انگریزی مولانا آزاد کالج)
اورنگ آباد

مکرمی اخگر صاحب تسلیم! آپ کی دو بیش بہا نثری تصانیف پہلے سے میرے پاس تھیں، اب شعری تصنیف بھی آپ کی عنایت بے غایت سے مل گئی۔ تہہ دل سے ممنون ہوں۔ تنقید نگاری میں نیاز مند ہونے کے باعث میں محاسنِ شعر و افسانہ کے بارے میں رائے نہیں دے پاتا ہوں۔

لکھنؤ ۲۳ فروری ۹۴ء

پروفیسر گیان چند جین

اخگر قادری کا شعری مجموعہ "شعلۂ سخن" پیشِ نظر ہے اخگر کی شاعری ایک پختہ عمر اور پختہ مشق شاعر کی شاعری ہے۔

(ہماری زبان ۲۲ جولائی ۹۴ء)

پروفیسر ظہیر احمد صدیقی (دہلی)

"خمریاتِ صفی"

"خمریات" اردو شاعری کے اہم موضوعات میں سے ایک ہے۔ چونکہ غزل کا شعر ایک منفرد اکائی ہوتا ہے۔ نیز خود مکتفی اور اپنی جگہ مکمل ہوتا ہے۔ اس لیے غزل کو شاعر اپنے تخلیقی تجربے کو ارتکاز اور اختصار کے ساتھ، جامع شعر میں پیش کرتا ہے۔ اخلاق، اقدار، افکار اور جذبات کی طرح خمریات بھی ابتداء ہی سے غزل اور شاعری کے محبوب موضوعات میں سے ایک رہے۔ اہم خمریات کا تمام

کس نے نہیں سُنا ہوگا۔ دُور کیوں جائیے، خود اُردو میں ریاض خیرآبادی نے اگرچہ دختِ رز کو کبھی منہ سے نہیں لگایا، لیکن "خمریات" پر اعلیٰ پائے کے اشعار سے اردو زبان وادب کا دامن مالا مال کیا۔ صفی صاحب اسی قافلے میں شامل ہیں جنھوں نے "خمریات" کے تازہ بہ تازہ اور نو بہ نو مضامین کو اپنی غزلوں کے اشعار میں جستہ جستہ پیش کیا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ "خمریات" اردو شاعری کا خاص طور پہ غزل کے رگ وپے میں شامل ہوکر ایک لازوال اور دلنواز روایت کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔ مکتبۂ صفی کے ہونہار شاگرد حضرت محبوب علیخاں اخگر حیدرآبادی اس لیے قابلِ مبارکباد ہیں کہ انھوں نے صفی کے اشعار اور شاعری سے خمریات کے مضامین کو جمع کرکے کتابی صورت میں یکجا کر دیا۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اردو میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا کام ہے۔ میری دُعا ہے کہ اخگر صاحب کا یہ کام قبولِ عام کی سند حاصل کرے۔ آمین۔

سید فیصر عنوان چشتی
شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ۲۵

۲۷۔۶۔۹۶ء

غالب کو زندہ رکھنے میں حالی کی جو خدمات ہیں اور ذوق کے منہ آبِ حیات ٹپکانے کے سلسلے میں محمد حسین آزاد نے جو وسائل اپنائے انھیں ادب کے طالبِ علم کبھی نظر انداز نہیں کرسکتے! اسی طرح صفی کے لیے جناب اخگر نے جو کچھ کیا وہ اردو ادب دکنی تہذیب اور مشرقی روایات کی ایک قابل تقلید مثال ہے۔

رؤف خیر
(ایم اے)

اقتباس تبصرہ
روزنامہ منصف ۳ مارچ ۹۶ء

مُحترمی!

صفی فہمی کے سلسلے میں ایک اور کوشش ایک اور زاویہ، ان دِنوں خاص طور پر آپ نے صفی اورنگ آبادی کو اپنی ادبی دلچسپی کا موضوع بنایا ہے اس کے نتیجہ میں

"تلامذہ صفی اورنگ آبادی اور اصلاحاتِ صفی" جیسی کتابیں منظرِ عام پر آئی ہیں اور اب آپ نے "خمریاتِ صفی بھی شامل کی ہے۔
آپ کی یہ کوشش صفی کے کلام سے عام دلچسپی رکھنے والے حلقوں میں زیادہ پسندیدہ رہے گی اور صفی کے کلام کو عام حلقوں میں مزید مقبولیت حاصل ہو سکتی ہے۔

پروفیسر سلیمان اطہر جاوید (ترویج)

صفی سے متعلق اس اشاعتی پروگرام میں محبوب علیخاں اخگر کا نام سرِ فہرست ہے۔ اخگر صاحب کی قبل ازیں "تلامذہ صفی" ۱۹۹۱ء "خیالاتِ حادی" ۱۹۹۲ء "اصلاحاتِ صفی" ۱۹۹۳ء اور اب یہ چوتھی کتاب بعنوان "خمریاتِ صفی" ۱۹۹۵ء پیشِ نظر ہے۔ اس طرح گویا انھوں نے چار پانچ سال کے عرصہ میں حضرت صفی اورنگ آبادی کے نام اور کام کو آگے بڑھا کر گویا صفی کی ایک طرح بازیافت کی ہے، اور اپنا نام ہمیشہ کے لیے دُنیائے اردو میں محفوظ کروالیا ہے۔ ہم صفی مرحوم کے چاہنے والے اخگر صاحب کے اس گراں قدر کام کے لیے تہہ دل سے ممنون ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کو ہم پرستارانِ صفی کے نام معنون کیا ہے — اس کتاب میں صفی کے ۶۱ اشعار کو تصویروں سے منعکس کیا گیا ہے۔ ان کو دیکھ کر عبدالرحمن چغتائی کی "مرقع چغتائی" (دیوانِ غالب) کی بے ساختہ یاد آتی ہے۔ فقط

خاکپائے اساتذہ
ریاست علی تاج
لیکچرر (ریٹائرڈ)

زیرِ تبصرہ کتاب میں مشہور شاعر صفی اورنگ آبادی کے خمریات سے متعلق اشعار مع تصویری خاکوں کے شائع کئے گئے ہیں۔ یہ خاکے اشعار کے مفہوم کے مطابق بنوائے گئے ہیں۔ مثلاً ایک خاکے میں مفتی صاحب قرآن خوانی کر رہے ہیں اور شاعر ہاتھ اُٹھا کر ان سے کچھ کہہ رہا ہے لیکن اس کے تصور میں ساقی جام بکف ہے اس خاکے پر یہ شعر لکھا گیا ہے۔ ۵

بخشوانے کا مرے ساقی نے ذمہ لے لیا
مفتیانِ دیں کا ایسے وقت کیا ارشاد ہے

طباعت و کتابت کے لحاظ سے یہ کتاب دیدہ زیب ہے، سرِ ورق بھی دلکش ہے۔ مُرتب نے خمریاتِ صفی کو دلکش لیکن نئے انداز میں پیش کیا ہے اور اس لیئے یہ توقع بے بنیاد نہیں کہ اس کتاب کی خاطر خواہ پذیرائی کیجائے گی۔

راشٹریہ سہارا دہلی

۲۰ رمئی ۱۹۹۶ء

محبوب علیخاں اخگر قادری کی مُرتب کردہ کتاب "خمریاتِ صفی اورنگ آبادی" اردو ادب میں ایک ایسا بے مثال اضافہ ہے جس کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا، جس رنگینی اور خوبصورتی کے ساتھ اشعار کو مرقعوں کی شکل میں پیش کیا گیا ہے ان کو دیکھ کر عقل محو رہ جاتی ہے۔ اگر ان مرقعوں میں رنگینی ہوتی تو تھوڑی اور جان آجاتی تو شاید مرقع چغتائی بھی اس کو دیکھ کر شرما جاتی ولی آرٹسٹ نے اپنی تمام کوششوں کو بروئے کار لاکر یہ مرقعے بنائے ہیں۔

اخگر کی یہ پانچویں چنگاری ہے اس سے قبل انھوں نے تلامذۂ صفی، خیالاتِ حاوی، اصلاحاتِ صفی اور شعلۂ سخن کے ذریعہ ادبی دنیا میں جو چنگاریاں چھوڑی ہیں ان کی چٹ پٹ ادب کے اُفق پر ابھی قائم ہے۔

م. ق. سلیم
ایم اے. (عثمانیہ)

اقتباس روزنامہ منصف
۳ر ڈسمبر ۱۹۹۵ء

جناب اخگر کے تلامذۂ صفی ۱۹۹۱ء میں شائع کرتے ہوئے شاگردانِ صفی کی بھول کا ازالہ کیا۔ پھر اصلاحاتِ صفی ۱۹۹۳ء میں دے کر نو آموز شعراء کو مشعلِ راہ دکھائی اور اب خمریاتِ صفی دے کر ریگستانِ غزل کی تشنگی دُور کی۔ جناب اخگر نے حضرت صفی اورنگ آبادی کے اشعار کو ولی محمد صدیقی آرٹسٹ کے اسکیچس سے زندہ جاوید

کر دیا۔ وہ اپنی دھن کے پکّے اور انفرادیت پسند انسان ہیں۔

اقتباس — رؤف رحیم

تبصرہ — ایم۔ اے (عثمانیہ)

یکم جون ۹۶ء — معتمد ادبستانِ دکن بشکر گنج حیدرآباد

خمریاتِ صفیؔ اورنگ آبادی یہ ایک حسین و جمیل تحفہ ہے۔ اہلِ علم کو صفی شناسی کی منزل کی طرف لیجانے کے لیے استاد کے نام و کام کو جناب اخگرؔ صاحب نے بڑے سلیقہ سے پیش کیا ہے جس کو دیکھ کر مرقع چغتائی کی یاد تازہ ہو گئی۔ اور ان کے ذوق کی نفاست کا پتہ چلتا ہے۔ اخگرؔ صاحب نے اصلاحاتِ صفیؔ، تلامذہ صفیؔ اور خمریاتِ صفیؔ مرتب و شائع کر کے اپنے استاد کے کارناموں کو حیاتِ جاوداں بخش دی۔
محبوب علیخاں اخگرؔ قابلِ ستائش ہیں کہ وہ اس دور ابتلاء میں حضرت صفیؔ کے بارے میں لکھ کر پرستارانِ صفیؔ کو متوجہ کر رہے ہیں کہ دیکھو علم کی خدمت کس طرح کرتے ہیں اور استاد کے نام اور کام کو کس طرح قائم رکھا جاتا ہے؟

المرقوم ۱۴ جون ۱۹۹۶ء — نور الاسلام عفی عنہ
آغا پورہ

دُنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو اپنا وجود سیکڑوں ذہنوں پر مرتسم کر دیتے ہیں، ہزاروں دلوں میں قیام کرتے ہیں اور کتابوں میں تا قیامت اپنی شخصیت کو خود دوام بخشتے ہیں ایسی ہی ایک محبوب شخصیت محترم محبوب علیخاں اخگرؔ قادری شطاری کی ہے جن کی زندگی اقبالؔ کے فلسفہ عمل سے تعبیر کی جا سکتی ہے! اخگرؔ صاحب نہ صرف پیکرِ اخلاص، پیکرِ محبت اور پیکرِ عمل ہیں بلکہ ادیب، شاعر اور محقق بھی ہیں۔ ان کی قابلِ قدر صفت یہ ہے کہ خود فنکار ہوتے ہوئے فنکاروں کی ٹھوس خدمت کرتے ہیں۔
اخگرؔ صاحب نے حضرت صفیؔ جیسے عظیم شاعر کی تصانیف کو مرتب کر کے دُنیائے ادب میں پیش کرنے کا سلسلہ "تلامذہ صفیؔ" سے شروع کیا۔ "تلامذہ صفیؔ" اور "اصلاحاتِ صفیؔ" جیسی نادر کتب کے بعد اب "خمریاتِ صفیؔ" جیسی دلچسپ اور معرکہ انگیز

کتاب پیش کر کے تشنگانِ شعر و ادب پر ایک اور احسان کیا ہے۔
"خمریاتِ صفی" کی خصوصیت یہ ہے کہ اشعار کو تصویروں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جسے مایہ ناز مصور جناب ولی محمد صدیقی صاحب نے اپنے کمالِ فن سے مزین کیا۔ "خمریاتِ صفی" میں حضرت صفی کے اشعار پر اسی مناسبت سے تصویریں قارئین کو تصوراتی دنیا میں پہنچا دیتی ہیں۔ خمریاتِ صفی نہ صرف سخن فہم حضرات کے لیے خوبصورت ادبی سوغات ہے بلکہ ان حضرات کو بھی اپنی طرف متوجہ کیے بغیر نہیں رہتی جنھیں شاعری سے لگاؤ نہیں۔ جناب اخگر کی ناقابلِ فراموش ادبی خدمات ان کے اندر کے تعمیری انسان کو دنیائے شعر و ادب سے نہ صرف روشناس کراتی ہیں بلکہ ادبی ذہنوں سے ان کا رشتہ مضبوط کر کے تلمیح میں ان کی شخصیت کو ہمیشہ ہمیشہ پرکشش بنائے رکھتی ہے۔

فاروق شکیل یہے
(ابنِ عدیل)

۲۳ رجون
۱۹۹۶ء

ماشاء اللہ ۱۹۹۱ء سے آپ نے کتابوں کے مرتب کرنے کا ایسا آغاز کیا کہ ادبی اور شعری دنیا میں مسلسل چراغ روشن ہو رہے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے اپنی مرتب کردہ کتابوں کی طباعت و اشاعت کے علاوہ احباب کی کتابوں اور شعری مجموعوں کی اشاعت کا صبر آزما حسنِ اہتمام آپ کی زندگی کے اہم کارناموں میں ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔ اداروں یا انجمنوں کے کرنے کے کام آپ تنہا اپنی ذات سے انجام دے رہے ہیں بہت ہی لائقِ ستائش قابلِ قدر ایسی یادگاریں ہیں جو تاریخِ ادب کے ساتھ زندہ رہیں گی۔ ہر بار آپ کے یہ کام خوب سے خوب تر کی داد لیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اللہ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ سلامت رکھے اور آپ کے حوصلوں میں اضافہ کرے۔

خواجہ معین الدین شومی
وکنساس امریکہ

۱۶ر جولائی
۱۹۹۶ء

جناب اخگر دبستانِ صفی سے وابستہ ہیں اسکا لیے حضرت صفی سے بڑی عقیدتمندانہ وابستگی رکھتے ہیں، جس کا زندہ ثبوت اخگر صاحب کی مطبوعات "تلامذۂ صفی اور اصلاحاتِ صفی ہیں جو شمالی اور جنوبی ہند کے ادبی سرمایہ میں اپنا ایک مقام رکھتی ہیں۔

کتاب "خمریاتِ صفی اورنگ آبادی" جس کا خوبصورت سرورق ہی قاری کو صفحات اُلٹنے پر مجبور کردیتا ہے۔ عموماً اردو کتاب کا سرِورق ایک یا دو رنگوں پر مشتمل ہوتا ہے، لیکن مرتب نے خمریاتِ صفی کے سرِورق کو پانچ الگ الگ رنگوں سے سجایا ہے جس سے کتاب کی معنویت واضح ہوجاتی ہے۔ کتاب کا ایک ایک صفحہ بغور مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔

اقتباس تبصرہ — محمد خلیل الدین صدیقی
رہنمائے دکن ۳۰ مئی ۹۶ء — ایم اے۔ بی ایڈ ریسرچ اسکالر

مکرمی جناب محبوب سلیمان خاں صاحب اخگر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ۲۱ر مارچ کا لکھا ہوا عنایت نامہ مجھے کیلیفورنیا میں اپریل میں ملا۔ اور آپ کی کتاب خمریاتِ صفی بھی وصول ہوئی۔ آپ ان چند غیر معمولی لوگوں میں سے ہیں جو وظیفہ کے بعد زیادہ مصروف ہوجاتے ہیں ۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۴ء تک چار کتابوں کے بعد اب خمریاتِ صفی کی اشاعت اور دو اور کتابوں کا زیرِ طبع ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

آپ نے حضرت صفی کے تعلق سے جو کام کیا ہے وہ اردو ادب کی ایک اچھی خدمت ہے۔ خمریاتِ صفی شاید مرقع چغتائی کے بعد حیدر آباد سے شائع ہونے والی پہلی کتاب ہے جس میں شعر کی مناسبت سے موزوں اور خوبصورت اسکیچ شامل ہیں۔ کتاب میں فارسی اور اردو کے اساتذہ اور مصنفین کے اعلیٰ پایہ کے مضامین سے ہیں۔ فارسی اور اردو میں خمریات سے متعلقہ اشعار کا ذکر کتاب کی دلچسپی میں اضافہ کرتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ ادبی حلقوں میں اس کتاب کی بڑی قدر ہوگی۔ مخلص

۲۰ر جولائی ۹۶ء — سید ہاشم علی اختر۔ (سابق وائس چانسلر

خانِ والاشان، محبوب علی خان صاحب۔ السلام علیکم

آپ کی فرستادہ کتاب "خمریاتِ صفی" ذریعہ پوسٹ ہمدست ہوئی۔ یاد فرمائی اور کتاب کے عاجلانہ و مخلصانہ ارسال کے لیے ممنونِ کرم ہوں۔ ابھی چند روز پہلے ایک خط روانۂ خدمت کرچکا ہوں جو آپ کے گرامی نامہ کے جواب میں گزرانا تھا۔ تین اشعار پر اسکیچ کے نمونے بھی آپ نے بھجوائے تھے، جس کے دیکھنے سے اندازہ ہوا تھا کہ کتاب اپنی نوعیت کی بڑی دلچسپ اور مصوّر کے کمالِ فن کا نمونہ ہوگی۔ کتاب ہاتھ میں آئی تو بغیر پڑھے رکھنے کو جی نہ چاہا۔ اس مختصر کتاب کو مفید بنانے میں آپ نے اپنے علمی ذوق اور دُور بین نگاہی سے کام لیا ہے۔ مجھے بے ساختہ جگر کا شعر یاد آگیا ؎

ذرا سا دل ہے لیکن کم نہیں ہے
اِسی میں کون سا عالم نہیں ہے

واقعی یہ کام آپ نے بہت کارآمد کیا کہ صفی پر لکھے گئے مضامین اور کتابوں اور نیز ان کے تمام مجموعۂ کلام کی فہرست مرتبین اور مضمون نگاروں کے ناموں کے ساتھ مع سنہ و تاریخ کتاب کے آخر میں لکھ دی جو صفی پر کام کرنے والوں ان کو پڑھنے اور سمجھنے والوں کے لیے بڑی رہبری کا کام دیتی ہے۔ اس کے ساتھ اپنی بیش بہا مرتب کردہ کتابوں پر اہلِ علم اور نقادانِ فن کی زرّیں رائیں اور مفید تبصرے شاملِ کتاب کرکے، کتابوں کی افادیت پر گویا مُہرِ تصدیق ثبت کردی۔ آپ صرف خمریاتِ صفی کے عُنوان پر اشعار پیش کردیتے تو بھی وہ ایک علمی کام ہوتا لیکن، آپ نے یہ کمال کردیا کہ شاعر کے خیال کی تصویر کاغذ پر کھینچ دی جس سے شعر کی دلکشی میں اور اضافہ ہوگیا ہے۔ مُصوّرِ دکن ولی محمّد صاحب کی فن کارانہ مہارت کی بنائی ہوئی یہ تصویریں ہیں اور اہلِ ذوق داد دیے بغیر نہ رہیں گے۔

ناچیز

محمّد نورالدین خان

یکم اپریل ۱۹۹۵ء
امریکہ

حضرت صفیؔ اختر صاحب کے دادا استاد ٹھہرتے ہیں اس رشتے سے موصوف نے صفیؔ کے کارناموں کو پیش کرنے کی ایک مہم سر کر رکھی ہے چنانچہ اب تک دو کتابیں اصلاحاتِ صفیؔ اور تلامذہ صفیؔ شائع ہو چکی ہیں اور یہ تیسری زیرِ نظر کاوش تو بڑی دقیقہ نظری کی متقاضی تھی جس کے لیے مرتب نے سارے کلامِ صفیؔ کو بڑی جانفشانی سے کھنگالا اور خمریاتِ صفیؔ کا ایک گلدستہ اہلِ علم و ادب کی تسکینِ ذوق کے لیے پیش کیا ہے۔ جس کی جس قدر قدر کی جائے کم ہے۔

خمریات کی ایک روایت میں مرقع نگاری بھی شامل ہے۔ رباعیاتِ خیام کے بیشتر ایڈیشنوں میں اس کی خاص رعایت رکھی گئی ہے اختر صاحب نے اس روایت کو زندہ رکھتے ہوئے اشعارِ صفیؔ پر بڑے خوبصورت خاکے بھی شریکِ کتاب کر دیئے ہیں جس سے یہ شراب دو آتشہ ہو گئی ہے۔ اس لیے شاید مرتب یہ کہنے میں حق بہ جانب ہو گا کہ ؎

پیو کہ سُفت لگا دی ہے خونِ دل کی کشید
گراں ہے اب کے مئے لالہ فام کہتے ہیں!

(فیضؔ)

فرح کالونی
سعید آباد

مظفر ممتاز
۸ر اگست ۹۶ء

انشائے صفیؔ

آپ کا تحفہ "انشائے صفیؔ" ملا۔ آپ کے شعلے اب نسخہ زیادہ ہو گئے ہیں کہ ان کا شمار رکھنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ انشائے صفیؔ ایک اور قابلِ قدر اضافہ ہے۔ آپ نے صفیؔ پر جتنا کام کیا ہے اس کی داد الفاظ میں نہیں دی جا سکتی۔ کتاب میں آپ نے مجھ گمنام کے تین خطوط شامل کر کے آپ نے مجھے نوازا۔ بہ شرطِ فرصت صفیؔ کے خطوط کی سیر کر کے ان مرحوم سے نصف ملاقات کروں گا۔
اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

[illegible]

محترم اخترؔ صاحب ۔ سلام مسنون

انشائے صفی اورنگ آبادی کا ایک نسخہ آپ کی عنایت سے وصول ہوا جس کے لیے شکر گزار ہوں۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ حضرت صفی کے خطوط یکجا و مرتب کر کے شائع کر دیے۔ خطوط دلچسپ اور اندازِ بیان دلکش ہے۔ پروفیسر سلیمان اطہر جاوید کا مطالعۂ خطوط بھی خوب ہے۔ اس کتاب کی اشاعت پر میں آپ کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ مخلص

ڈاکٹر جمیل جالبی
سابق وائس چانسلر، کراچی یونیورسٹی

۲۱ دسمبر سنہ ۱۹۹۶ء

آپ کا تحفہ انشائے صفی ملا۔ آپ کے عطیے اب اتنے جمع ہو گئے ہیں کہ ان کا شمار رکھنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ انشائے صفی ایک اور قابلِ قدر اضافہ ہے۔ آپ نے صفی پر جتنا کام ہے اس کی داد الفاظ میں نہیں دی جا سکتی۔ کتاب میں مجھ گمنام کے تین خطوط شامل کر کے آپ نے مجھے نوازا۔ بہ شرطِ فرصت صفی کے خطوط کی سیر کر کے اُن مرحوم سے نصف ملاقات کروں گا
اُمید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

اندرا نگر۔ لکھنؤ

پروفیسر گیان چند جینؔ

مکرمی جناب اخترؔ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے کرم نامہ کا جواب اس قدر تاخیر سے دینے کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔ ۲۸ جون سے کسی نہ کسی بیماری کی وجہ سے دو دفعہ ہسپتال میں بھی شریک ہونا پڑا، جس کی تفصیلات جناب نورالدین خاں صاحب کے خط میں لکھ چکا ہوں۔ کتاب پر تبصرہ منسلک ہے۔ پہلے تو مختصر لکھنے کا خیال ہوا لیکن خطوں میں دلچسپ جملوں اور باتوں کی وجہ سے میں نے اختصار کا خیال چھوڑ دیا۔

اُمید ہے کہ آپ اور آپ کے اہلِ خاندان خیریت سے ہوں گے۔ خیر اندیش

سیّد ہاشم علی

(امریکہ)

محترمی و مکرمی اختر صاحب ۔ سلام و رحمت

"انشائے صفی اورنگ آبادی" کے لیے بیحد ممنون و مشکور ہوں ۔ اس خوبصورت کتاب کی تدوین و ترتیب اور اشاعت پر میری طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمایئے ۔ ۱۹۹۱ء کے بعد سے آپ نے یکے بعد دیگرے "تلامذہ صفی اورنگ آبادی" ۔ "اصلاحاتِ صفی اورنگ آبادی" اور "انشائے صفی اورنگ آبادی" جس مستقل مزاجی اور زرِ کثیر صرف کر کے شائع کی ہیں یہ آپ کی بلند ہمتی، علم دوستی اور اپنے دادا استاد کے ساتھ بے لوث خدمت کی دلیل ہے ۔ خدا کرے کہ مجوزہ کتاب "محاوراتِ صفی اورنگ آبادی" بھی جلد زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر تشنگانِ علم و ادب تک پہنچ جائے ۔ آمین

ان کتابوں کی تدوین و ترتیب آپ نے اس سلیقے سے کی ہے کہ بس گویا تحقیق کا حق ادا ہوگیا ۔ آپ کی مرتبہ "خیالاتِ حاوی" بھی اسی سلیقے کا پتہ دیتی ہے ۔ ان تمام تحقیقی سرگرمیوں کے باوجود آپ نے شعری تخلیق کا عمل جاری رکھا اور "شعلۂ سخن" جیسا حسین و جمیل مجموعہ شائع کر کے ثابت کر دیا کہ ایک اچھا محقق ایک اچھا شاعر بھی بن سکتا ہے ۔ اردو ادب میں آپ کی ان کاوشوں کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا ۔

پروفیسر ثاقب انور
مولانا آزاد کالج اورنگ آباد

محترمی ۔ سلام و نیاز

آپ کی مسلسل نوازشوں کے لیے بیحد ممنون ہوں ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کے ساتھ تادیر سلامت رکھے ۔ آمین

انشائے صفی کی مجھے ایک ہی کاپی ملی ۔ تفصیل سے پڑھ لوں تو "پاکستان لنک" کے لیے بھیج دوں گا ۔

حسن چشتی
شکاگو (امریکہ)

اقتباسات — بہ موقع رسمِ اجرائے تلامذۂ صفی

تلامذۂ صفی کے رسمِ اجراء کے اس جلسہ کی صدارت ڈاکٹر راج بہادر گوڑ بہادر شاہ ظفر ایوارڈ لے کر پہلی مرتبہ کسی ادبی اجلاس کی صدارت کر رہے ہیں! دبستانِ دکن سے میرا تعلق مشیرِ قانونی کی حیثیت سے ہے۔ جس کے زیرِ اہتمام اس کتاب کی اشاعت ہوئی ہے۔ جناب محبوب علیخاں اخگر نے ادب کی وراثت کے حصہ داروں کا شجرہ مرتب و عام کرا دیا۔ میں اخگر کے ہی شعر سے ان کی کاوشوں کو خراج پیش کرتا ہوں۔

مری ہمت جہاں پتوار بن جاتی ہے کشتی کی
وہاں میرے مقابل کوئی بھی طوفاں نہیں ہوتا

۱۶ مئی ۱۹۹۱ء — منوہر راج سکسینہ
اردو گھر — سینئر ایڈوکیٹ

محبوب علیخاں اخگر نے جو بڑے حوصلے کے ساتھ اس کام کا بیڑا اٹھایا کہ صفی کے شاگردوں کا ایک تذکرہ مرتب کیا جائے۔ اس میں موصوف کو جن صعوبتوں سے گزرنا پڑا وہ انھیں کا حق تھا، مگر یہ کام ہر کس و ناکس کا بھی نہیں ہے! انھیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیادہ! بقول پروفیسر اکبر الدین صدیقی اردو کے تذکراتی، تحقیق از میں زیرِ نظر کتاب غالباً چوتھی کوشش ہے اس سے پہلے "مراۃ الاذکار" فیض کے شاگردوں کا تذکرہ (بدیع الدین نقش)، تلامذۂ مصحفی (ڈاکٹر مختار الدین آرزو) اور تلامذۂ غالب (مالک رام) میں تین تذکرے شائع ہو چکے ہیں، اس طرح اخگر صاحب نے اپنے آپ کو بھی تذکرہ نگاروں کی صف میں شامل کر لیا۔ دکن والوں پر یہ ایک فرضِ کفایہ تھا جسے اخگر صاحب نے ادا کیا۔ یہ کام اس لیے بھی اور زیادہ داد و تحسین کا مستحق ہے کہ مصنف نے یہ کتاب صرف اپنے ذاتی صرفے سے آراستہ کیا ہے کسی ٹرسٹ انجمن یا اکیڈمی کا احسان اٹھایا نہ لیا۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند!

منصف مُظفر مجاز

۲رجون ۱۹۹۱ء

حضرت صفی بلاشبہ حیدر آباد کے نمائندہ شاعروں میں اہم اور دوسرا مقام رکھتے تھے۔ دبستانِ دکن کا کوئی بھی تذکرہ صفی کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں سمجھا جائے گا۔ اختر صاحب نے فراہمی مواد کے لیے مکانات کے علاوہ صحیح تاریخوں کے لیے قبرستانوں کی خاک بھی چھانی ہیں اُن کی کاوشوں کو سراہتا ہوں۔

منصف ڈاکٹر سید داؤد اشرف

۲۱رمئی ۱۹۹۱ء

مکرمی و محبّی محبوب علیخاں صاحب۔

بعد از تسلیم و نیاز معلوم ہو کہ آپ کی بھیجی ہوئی دونوں کتابیں وصول ہوئیں یہ کتابیں، بزم اردو جدّہ کے "ایوانِ اردو" میں آنے والے با ذوق قارئین کے زیرِ مطالعہ ہیں۔

حضرت صفی پر آپ نے جس خلوص و اخلاص سے علمی و تحقیقی کام کیا ہے وہ قابلِ تحسین و صد آفرین ہے۔ خود آپ پر جناب م۔ق۔ سلیم کا کیا ہوا علمی کام اور "مطالعہ" بھی لائقِ ستائش ہے آخر میں حضرت شاد عظیم آبادی کا ایک شعر آپ کی نذر۔ ؎

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں، نایاب ہیں ہم
اے اہلِ زمانہ قدر کرو، نایاب نہ ہوں، کمیاب ہیں ہم

فقط

جدّہ شرمندۂ التفات

۲۵رجولائی ۹۷ء شریف اسلم

جناب م. ق. سلیم کی تیار کردہ کتاب "محبوب علی خاں اخگر ایک مطالعہ" پر مشاہیرِ شعر و ادب کی آراء

مکرمی اخگر صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مجھے خوشی ہے کہ محمد قطب الدین سلیم صاحب نے آپ جیسے اردو کے خدمت گزار پر ایک کتاب لکھنے کا خیال کیا اور بڑی تحقیق کے بعد ایک اچھی کتاب شائع کر سکے۔ انھوں نے آپ کی کتابوں پر تبصرے بھی لکھے اور دوسرے مشاہیر ادب کے مضامین اور تبصرے بھی شائع کیے ہیں۔ میں اس کتاب کے لیے محمد قطب الدین سلیم صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اور آپ کو بھی اس لیے کہ اردو میں سوانح عمریوں کی بہت کمی ہے اور آپ کی یہ سوانح عمری اُس میں ایک اچھا اضافہ ہے۔ خدا آپ کو صحت اور عمر عطا فرمائے اور آپ اس طرح اردو کی خدمت کرتے رہیں۔

مخلص

نیرول (امریکہ)

سید ہاشم علی اختر

۲۸ ستمبر ۷ ۹ ء

سابق وائس چانسلر عثمانیہ و علیگڈھ یونیورسٹی

مکرمی اخگر صاحب۔ سلام و رحمت

محبوب علیخاں اخگر "ایک مطالعہ" م. ق. سلیم صاحب نے مرتب کی ہے۔ اس نیک اقدام کے لیے اخگر صاحب کے ساتھ سلیم صاحب بھی پوری طرح مبارکباد کے

مستحق ہیں، کہ انھوں نے حیدرآباد فرخندہ بنیاد کے ایک جیالے فرزند (اخگر صاحب) کے فکر و فن پر ایک اچھی کتاب مرتب کر کے شائع کردی۔ یہ کتاب تدوین کے اصولوں کے عین مطابق ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب سے اخگر شناسی اور حیدرآباد شناسی کی فضا عام ہوگی۔

پروفیسر عنوان چشتی
(شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی)

۱۴؍ جون
۱۹۹۶ء

برادرم اخگر صاحب محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کے کارناموں نے "محبوب علیخاں اخگر۔ ایک مطالعہ" کی صورت میں خوش آیند نتائج اور قدر دانی کی شکل اختیار کرلی۔ مبارک عکسی سرورق دیکھ کر مسرت ہوئی۔ شعر و ادب کی دنیا آپ سے اچھی خاصی واقف ہو چکی ہے اور آپ کے کام اور نام کسی طرح بھی محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ سے قوی توقع ہے کہ آئندہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہے گا۔ والسلام

درویش عزمی
(خواجہ معین الدین عزمی)

وچیٹا
کنساس۔ امریکہ

محبی اخگر صاحب۔ تسلیم

کل رجسٹرڈ پارسل سے کتاب "محبوب علیخاں اخگر ایک مطالعہ" ملی۔ اس تحفے کے لیے تہہ دل سے مشکور ہوں۔ آپ نے جواب کے لیے ٹکٹ لگا کر لفافہ بھیجا، میں اس سے شرمندہ ہوا۔ اس کی کیا ضرورت تھی۔ بہرحال کتاب سے آپ کے سارے کام یکجا ہو کر سامنے آگئے ہیں۔ پروفیسر یعقوب عمر کا مضمون اصلاحِ سخن اور صفی اورنگ آبادی جامع ہے لیکن انھوں نے شروع کے ۵½ صفحوں میں جو ماضی کے شعراء کی اصلاحات کی تفصیل دی ہے، وہ غیر ضروری ہے۔ اصلاحاتِ صفی پر میرا مختصر مضمون ص ۱۰۱ - ۱۰۵ پر ہے۔ اس کے بعد ص ۱۱۱ پر جو میری رائے درج ہے وہ اسی مضمون کا اقتباس ہے۔

یعنی یہ تکرار ہے۔

ص ۱۲۴ پر اقبال متین لکھتے ہیں "ہمزہ حروفِ تہجّی کا ایک حرف ہے' اس کو اعراب کی طرح استعمال کرنے کی بے راہ روی کچھ اس طرح راہ پا گئی ہے کہ بے شمار الفاظ کا غلط اِملائی صحیح شناخت کھو چکا ہے"۔

شاید یہ صفی کی رائے ہے۔ عربی میں ہمزہ یقیناً ایک علیحدہ حرف اور آواز ہے۔ اردو میں عربی ہمزہ کی آواز نہیں۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں۔

" اردو میں ہمزہ علامتِ بے صوت ہے"۔

میری رائے میں اردو میں ہمزہ عموماً لفظ کے درمیان الف متحرک کا کام دیتا ہے مثلاً: گئے : گ + اے۔ گئی : گ + اِی' ماؤف : ما اُوف۔ لکھنؤ : لکھن + اُو

ص ۱۲۵ پر وحید الدین سلیم لکھتے ہیں۔

"میرے خیال میں اس وقت ہندوستان بھر میں جو زبان حیدرآباد کی ہے' وہ کسی خطہ کی نہیں"۔

میرا خیال ہے کہ یہ اہلِ حیدرآباد کی خوشنودی حاصل کرنے کو لکھا ہے ورنہ حیدرآباد کے باہر والے اس سے شاید اتفاق نہ کریں۔ حیدرآباد میں اردو کے سلسلے میں جتنا زیادہ کام ہوا ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا لیکن جہاں تک حیدرآباد کی بول چال کی زبان کا تعلق ہے' ٹی وی اور فلموں میں دکنی کو مزاح پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ صاف گوئی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

معلوم ہوا کہ آپ عمر میں مجھ سے دو سال چھوٹے ہیں لیکن کام بڑے تسلسل سے کیے جا رہے ہیں۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

پروفیسر گیان چند جین

مکرمی اختر صاحب۔ السلام علیکم۔

قطب الدین سلیم سلمہٗ کی مرتب کردہ کتاب "محبوب علیخاں اخگر ایک مطالعہ" موصول ہوئی۔ خوشی ہوئی۔ مرتب نے تو آپ کے بارے میں ہر ممکنہ معلومات اس طرح فراہم

کردی ہیں کہ قلم توڑ دیا ہے۔ لیکن ڈر ہے کہ کہیں آپ نے تو قلم رکھ نہیں دیا۔ دُعا ہے کہ اللہ پاک آپ کو صحت و توانائی، وقت و وسائل عطا فرمائے تاکہ آپ اِسی طرح اُردو کی خدمت میں لگے رہیں اور چند برس بعد آپ کی خدمت کا تذکرہ اس سے زیادہ ضخیم جلد میں شائع ہو۔

آپ کی تصنیفات کی فہرس دیکھ کر پتہ چلا کہ "تلامذۂ صفی" اور "خیالاتِ حاوی" کے علاوہ اور چار کتابیں "اِنشائے صفی"، "اصلاحاتِ صفی"، "خمریاتِ صفی" اور "شعلۂ سخن" آپ نے ہم کو عنایت نہیں کیں۔ براہِ کرم یہ کتابیں اب بھیجیے اور لکھیے کہ ان کی قیمت اور اخراجات کس قدر مجھ پر واجب الادا ہیں۔

آپ کے بارے میں تازہ کتاب مولفہ سلیم کے لیے مُبارکباد۔

طالب الخیر بالخیر والسلام۔ مخلص

۱۳ جون ڈاکٹر محمد ضیاء الدین احمد شکیب

۱۹۹۷ء (لندن)

محترمی و مکرمی! سلام و رحمت!

اُمید ہے آپ بخیرو عافیت ہوں گے۔ جناب م۔ق۔ سلیم صاحب کا مولفہ "محبوب علیخاں اخگر ایک مطالعہ" وصول ہوا۔ فاضل مولف نے بڑے ہی سلیقے سے اپنے ممدوح کی شخصیت کے نجی، علمی، ادبی اور تحقیقی گوشوں کو اُجاگر کیا ہے۔ جناب فاروق شکیل کا مضمون "ماہرِ صفیات جناب محبوب علیخاں اخگر" بہت خوب ہے جو اختصار کے باوجود ممدوح کی ادبی کاوشوں کا بھرپور جائزہ پیش کرتا ہے وہیں ان کی کتابوں پر مشاہیرِ ادب کے مضامین، تبصرے اور تاثرات کو تین الگ الگ ابواب میں ترتیب دے کر اور کتاب کے آخر میں "منتخب کلامِ اخگر" کو شامل کر کے اپنی اخگر فہمی کا ثبوت بڑی خوش سلیقگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ولی محمد صدیقی صاحب نے کتاب کا سرورق بہت فنکارانہ انداز میں تیار کیا ہے اور کتاب نہایت دیدہ زیب بن گئی ہے ظاہری اور باطنی خوبیوں کے اس خوبصورت مرقعے کی اشاعت پر پُرخلوص ہدیۂ تہنیت پیش کرتا ہوں۔ براہِ کرم میری طرف سے مُبارکباد فاضل مولف جناب م۔ق۔ سلیم صاحب تک

بھی پہنچا دیں۔ فقط

مخلص

ثاقب انور ۱۴ جون ۹۷ء

اورنگ آباد

ہمارے مخلص دوستوں میں سے ایک محبوب علیخاں اخگر کی ذاتِ گرامی بھی ہے۔ جن کے علمی کارناموں کو دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے کیوں کہ موصوف "یک دم اُدگری صد انجمن" کا مصداق ہیں۔ حضرت صفی اورنگ آبادی کے نام اور کام سے آہستہ آہستہ زمانہ ناواقف ہوتا جا رہا تھا اور مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام مفقود ہوتا جا رہا تھا۔ اخگر صاحب نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے جمع کر کے مختلف عنوان سے مرتب اور دیدہ زیب کتابوں کی صورت میں طبع کرایا۔

مثلاً تلامذۂ صفی، اصلاحات صفی، خمریاتِ صفی، انشائے صفی، محاوراتِ صفی جس کے باعث موصوف کو "ماہر صفیات" کا خطاب دیا جائے تو حق بجانب ہوگا۔ چونکہ اخگر صاحب نے صفی مرحوم کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ جواہرات کو جمع کیا اور پھر ان کو دیدہ زیب کتابوں کی صورت میں طبع کرا کے حضرت صفی کے نام اور کام کو عمر دوام بخش دی۔

اسی طرح محمد قطب الدین سلیم صاحب بھی لائقِ ستائش ہیں کہ انھوں نے ایک کتاب "محبوب علیخاں اخگر ایک مطالعہ" مرتب کر کے طبع کرادی جس کے ذریعہ اخگر صاحب کو بھرپور خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ فقط

محمد نور الاسلام عفی عنہ

۲۶ جون ۹۷ء

محبوب علیخاں اخگر ایک مطالعہ

محبوب علیخاں اخگر جنوبی ہندوستان کے ایک کہنہ مشق شاعر اور ادیب ہیں اب تک آپ کی سات کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں جن میں ایک شعری مجموعہ "شعلۂ سخن" اور چھ مرتب کردہ کتابیں شامل ہیں۔ لہٰذا اس شاعر اور ادیب شخصیت لعد ان کے

فن کا مطالعہ مولف م.ق. سلیم نے زیرِ نظر کتاب میں پیش کیا ہے. کتاب میں مختلف مصنفین کے مختلف عنوانات کے تحت مضامین میں سب سے پہلے مولف نے ایک چارٹ کی شکل میں اخگر کے بارے میں اہم نکات اور حقائق پر روشنی ڈالی ہے اور محبوب علیخاں اخگر قادری کے اساتذہ کا شجرہ بھی دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کے اساتذہ کا سلسلہ صفی مرحوم میر درد، مرزا، سودا اور میر تقی میر سے ملتا ہے. ایک اہم مضمون "اخگر ایک تعارف" ہے جس میں مولف نے اخگر صاحب کے بچپن، ان کی تعلیم و تربیت، خاندانی حالات، مذہبی عقائد، ملازمت اور دیگر اہم واقعات پر روشنی ڈالی ہے. مولف کے الفاظ میں محبوب علیخاں کو ابتداء ہی سے شعرگوئی کا شوق تھا. زمانہ طالب علمی میں ہی ان کو شعر گوئی کا چسکہ لگ چکا تھا"؛ اخگر کے ابتدائی کلام کا نمونہ بھی مولف نے پیش کیا ہے مثلاً یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں.

بادل سی برس رہی ہیں آنکھیں ؛ دیدار کو میں ترس رہا ہوں

اب سوزِ جگر نہ پوچھ اخگر ؛ میں اپنی ہی آگ میں جلا ہوں

اس کتاب میں فاروق شکیل کا مضمون بعنوان "ماہر صفیات جناب محبوب علیخاں اخگر" بھی کافی پر مغز ہے. علاوہ ازیں زیرِ نظر کتاب میں اخگر کی کتابوں سے متعلق جن مشاہیر ادب کے مضامین شامل ہیں ان میں خواجہ معین الدین عرمی، پروفیسر اکبر الدین صدیقی، پروفیسر سیدہ جعفر، خورشید جنیدی، دقار خلیل، پروفیسر گیان چند جین، پروفیسر یعقوب عمر، ڈاکٹر محمد علی اثر، سید نظیر علی عدیل، ڈاکٹر اشرف رفیع، سید فضل المتین چشتی، نور الدین خاں، پروفیسر سلیمان اطہر جاوید قابلِ ذکر ہیں. مختلف اخبارات و رسائل میں اخگر کی کتابوں پر مشاہیر ادب کے تبصرے بھی اس کتاب کی زینت بنے ہوئے ہیں جن میں عزیز قیسی، رام لال نابھوی، ضیاء الدین شکیب، حسینی جاوید، پروانہ ردولوی، پروفیسر یعقوب عمر، اردو بلٹز بمبئی، اردو ہفتہ روزہ "راشٹریہ سہارا" دہلی وغیرہ شامل ہیں. کتاب کے آخر میں اخگر کا منتخب کلام بھی شائع کیا گیا ہے. اس کلام میں حمد باری تعالیٰ، نعت شریف اور چند غزلیں شامل ہیں. اخگر کے کلام کا ایک نمونہ دیکھئے.

یوں تو مرنے کا یقین کس کو نہیں ہے لیکن ؛ موت کے نام سے ہر ایک کو ڈرتے دیکھا

بڑا ہو لاکھ بھی انسان پھر بھی بندہ ہے
بڑا بناتے بناتے اسے خدا نہ بنا

سرِ ورق پر اخگر کی تصویر کے ساتھ ہی ان کی کتابوں کے سرِ ورق اور نام بھی دیئے گئے ہیں جن کی بدولت زیرِ نظر کتاب کا سرِ ورق خاصا دلچسپ اور پُر مغز بھی بن گیا ہے۔ کتابت و طباعت کے لحاظ سے بھی یہ کتاب مناسب ہے۔ لہٰذا یہ توقع بے بنیاد نہیں ہے کہ ادیبوں اور شعراء کی حیات و تحقیقی کارہائے نمایاں سے متعلق کتب کے قارئین اس کتاب کی بھی خاطر خواہ پذیرائی کریں گے۔

مورخہ: ۲۳ تا ۲۹ جون ۹۷ء

تبصرہ: راشٹریہ سہارا "ہفتہ وار" نئی دہلی

محترم اخگر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

"انشائے صفی" کے تحفے کے لیے میری طرف سے تشکر قبول فرمایئے۔ یہ حضرت صفی اورنگ آبادی کے خطوط کا مجموعہ ہے اور اتنا دلچسپ کہ ایک ہی نشست میں ان کو پڑھ لیا واقعہ یہ ہے کہ مجھ پر پہلی مرتبہ صفی کی شخصیت آشکار ہوی اور ایک مردِ آزاد کی زندگی کے نشیب و فراز نمایاں ہوے۔ صفی ہیئتِ ظاہری میں خاکسار اور قلندر دکھائی دیتے تھے لیکن وہ ایک نستعلیق اور باوقار انسان تھے۔ اُن کا مزاج منطقی تھا اور اسی کی بدولت شاعری میں اُن کی استادی فن پرستی کی سرحدیں داخل ہوتی ہوی دکھائی دیتی ہیں۔ شعر و ادب میں زبان کا استعمال خود ایک تخلیقی عمل ہے اس میں اظہار کا سلیقہ بھی درکار ہے۔ لیکن کوئی واردات قلب جب قواعد کے شکنجے میں کسی جائے گی تو بے جان ہو کر رہ جائے گی۔ شاعری اور ادب میں فن کو ملحوظ رکھنا تو ضروری ہے مگر اس رجحان کو ریاضیاتی پیمائش تک نہ پہنچا دینا چاہیے۔ انشائے صفی کی اشاعت آپ ہی کا کارنامہ ہے ورنہ یہ خالدی صاحب کے بس کی بات نہ تھی۔

اس کتاب کے مطالعہ سے میری ایک غلط فہمی دُور ہو گئی۔ بہبود علی نام کی وجہ سے میں انھیں شیعہ سمجھتا تھا۔ ماشاء اللہ وہ تو صدیقی اور حنفی ہیں۔

وحید الدین سلیم

۱۹ اکتوبر ۱۹۹۶ء

صفی و دیگر شعرا

کیوں کر نہ کہیں منتِ اعدا نہ کریں گے
کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے (مومن)

ہم وہ ہیں کبھی منتِ اعدا نہ کریں گے
مر جائیں گے ایسا تو کیا تھا نہ کریں گے (صفی)

تماشہ

دھونڈتی ہے جسے مری آنکھیں
وہ تماشہ نظر نہیں آتا (داغ)

جو تماشہ بنا دے خود ہم کو
وہ تماشہ نظر نہیں آتا (صفی)

کیا تماشہ ہے طور پر اب کیوں
وہ تماشہ نظر نہیں آتا ! (عزیز یار جنگ عزیز)

ہے عجب طرفہ تماشا جسے دُنیا کہیے
اس میں سچّے کی مرن ہے تو بھلا کیا کہیے (")

یہ کوئی کہنے میں کہنا ہے الٰہی توبہ
ایسے کہنے کو تو چوں چوں کا مُربّا کہیے ! (")

غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا
تمام رات، قیامت کا انتظار کیا (داغ)

پھر اُس نے وعدہ کیا، ہم نے انتظار کیا
زباں پر نہیں، صورت پہ اعتبار کیا (")

جب اپنا ہاتھ رکھا سینۂ پُر داغ پر میں نے
بنی ہیں پنج شاخہ جل کے پانچوں اُنگلیاں میری (داغ)

غضب ہوتا ہے چھو لینا بھی ان کو گل ہے ماہے کا
جو اِس خمسہ بن جاتی ہیں پانچوں انگلیاں میری (")

شب کو جاگیں بزم میں، وہ دن کو سوئیں
رات کا دن، اور دن کی رات ہے (داغ)

دوست نے وعدہ کیا ہے دوستو
آج میرے جاگنے کی رات ہے (")

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا (غالب)

آیا کبھی نہ خواب میں بھی غیر کا خیال
غفلت میں بھی میں آپ سے غافل نہیں رہا (")

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی تری، سب کے جواب میں (ذوق)

لکھ دی تھی ایک بات اسے اضطراب میں
میں کیا کہوں، جو اس نے لکھا ہے جواب میں (")

میں نے تم کو دل دیا، تم نے مجھے رسوا کیا
میں نے تم سے کیا کیا، اور تم نے مجھ سے کیا کیا (مومن)

مشورے سے لوگوں سے لے کر مجھے رسوا کیا
واہ تجھ سے آس کیا تھی، اور تو نے کیا کیا (")

چمن کا پھول، مئے خانے کا شیشہ، عرش کا تارا (کیفی)
کوئی ٹوٹی ہوئی شئے ہو ہم اپنا دل سمجھتے ہیں

اسے سب لوگ ظالم، بے وفا، قاتل سمجھتے ہیں
مگر ہم ہیں کہ اپنی جان اپنا دل سمجھتے ہیں (")